امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 7 اکتوبر 2018ء بمطابق صفر المظفر 1440ھ شمارہ 8

خوف کی فضا میں آقا کی بے اعتمادی کا اظہار

زلمے خلیل زاد اور افغان مذاکرات

ظالم جرنیلوں کا آخری وقت

عالمی عدالتِ انصاف کو امریکی دھمکی

جہادی کارناموں کا دن

امریکی جبارحیت کے منفی اثرات

مغرب کی اسلام دشمنی!

فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم انا وكافل اليتيم له اولغيره في الجنة هكذا واشاره بالسبابة والوسطى وفرّج بينهما شيئاً۔

حضرت سعد بن سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں ایسے [قریب قریب] ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت والی اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی گشادگی رکھی۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مرد مومن کے مقام میں ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے گا خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو [جیسے بھتیجا بھانجا وغیرہ] یا کسی اور کا ہو جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی تعلق نہ ہو۔

فرمان امیر المومنین شیخ الحدیث ھبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

صلح اور امن و امان کو برقرار رکھنا امارت اسلامیہ کے عظیم اہداف میں سے ہے۔ البتہ جارحیت کی موجودگی میں صلح کا قیام ممکن نہیں ہے۔ جب کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ افغان عوام نے اسلامی نظام کے نفاذ اور خود مختاری کے لیے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ اُنہیں کسی قیمت پر بھی داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔ کسی کو ان عظیم اہداف پر ہم سے سمجھوتے کی امید نہیں ہونی چاہیے۔ جب امریکا سترہ سال قبل افغانستان پر جارحیت کے لیے عالمی جنگی اتحاد قائم کر رہا تھا، تب امارت اسلامیہ نے اسے افہام و تفہیم اور معقول سیاست اپنانے کی دعوت دی تھی۔ امریکی صدر نے غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے ایسی لڑائی شروع کر دی، جو امریکی عوام کو انتہائی مہنگی پڑی ہے۔ یہ جنگ امریکی تاریخ سب سے طویل، نقصان دہ اور ناکام لڑائی رہی ہے۔ البتہ اس جنگ نے افغانستان سمیت دنیا بھر کو شدید بدامنی کا شکار بنایا ہے۔

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۹ / ستمبر ۲۰۱۸/ شمارہ ۸

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی

اکرم تاشفین — محمد فرہاد جانباز

سیف العادل احرار

ڈیزائننگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 30 روپے

سالانہ 350 روپے

سالانہ زرتعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارت: 30ڈالر

بنگلہ دیش: 28ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'ماہنامہ شریعت' امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی 'میڈیا و ثقافتی کمیشن' کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس دروں

خوف کی فضا میں آقا کی بے اعتمادی کا اظہار 2

عالمی عدالتِ انصاف کو امریکی دھمکی 3

امریکی جارحیت کے منفی اثرات 5

سکیورٹی فوج کی ہلاکتوں میں اضافہ 8

زلمے خلیل زاد اور افغان مذاکرات 10

بے اعتبار امریکہ 12

فطرت سلیمہ سے بغاوت کے نتائج 14

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت 16

یوناما کی حالیہ رپورٹ 17

ظالم جرنیلوں کا آخری وقت 18

فکری مخنث 20

آمریت سے امن تک 21

بے سود پارلیمانی انتخابات 22

فتوحات کی نئی لہر 24

مغرب کی اسلام دشمنی 26

امریکا سوچ لے 29

بلیک واٹر کا جنگ ٹھیکہ 30

جنرل نکولسن کا مذہبی دباؤ! 32

سعودیہ قطر سرد جنگ 33

دنیا ٹرمپ پر ہنس پڑی! 36

افغان انتخابات 37

امریکا زبان کنٹرول کرے 38

جہادی کارناموں کا دن 39

افغانستان اکتوبر 2018 میں 40

جنگی جرائم اگست 2018 42

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com

خوف کی فضا میں آقا کی بے اعتمادی کا اظہار

قندہار اور ہرات میں پیش آنے والے واقعات کے بعد نیٹو افواج نے اعلان کیا ہے کہ اب وہ افغان فوجیوں کے ساتھ ملاقات نہیں کریں گے۔ افغانستان میں تعینات نیٹو ترجمان کناٹ پیٹر نے کہا ہے کہ ہم نے افغانستان میں افغان فوجیوں کے ساتھ بالمشافہ ملاقاتیں معطل کرلی ہیں، اور اگر ضرورت پڑی تو ٹیلی فون یا ای میل کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ کناٹ کا کہنا ہے کہ ہم نے یہ فیصلہ اپنے فوجی اور اعلیٰ افسران کی حفاظت کے لئے کیا ہے۔

واشنگٹن پوسٹ نے لکھاہے کہ یہ حفاظتی اقدام پے درپے دو حملوں کے بعد کیا گیا ہے، افغان فوجی مراکز سے بیرونی فوجی نکالے گئے ہیں جبکہ بیرونی افواج کے مراکز کی سیکورٹی پر تعینات افغان فوجیوں کو بھی وہاں سے ہٹادیا گیا ہے۔اشد ضرورت کے وقت افغان فوج کے افسروں کو بیرونی افواج کے مراکز میں بلایا جائے گا، اندر داخل ہونے سے پہلے ان کی سخت تلاشی لی جائے گی اور ان کے پاس موجود اسلحہ باہر ہی جمع کر دیا جائے گا۔

گزشتہ دنوں افغان فوج میں موجود امارت اسلامیہ کے ایک جان نثار مجاہد ابو دجانہ نے کامیاب حملہ کر کے قندہار کے ڈی آئی جی جنرل عبدالرازق اور قندہار کے انٹیلی جنس سربراہ جنرل مومن کو موقع پر ہلاک جبکہ گورنر قندہار زلمی ویسا اور نیٹو کے ایک بڑے جنرل جیفری کو زخمی کیا تھا، لیکن افسوس کہ حملے کا اصل ہدف نیٹو افواج کا سربراہ سکاٹ ملر اس حملے میں بچ گیا۔

ڈر اور خوف سے بھرپور نیٹو کی اس نئی اعلان شدہ پالیسی کے بارے میں ابھی تک کابل ادارے کے کٹھ پتلی حکمرانوں کی زبانیں گنگ ہیں، انہوں نے ابھی تک بیرونی غاصبوں کی جانب سے افغان فوج سے متعلق اعلان شدہ نئی توہین آمیز پالیسی کے بارے میں اپنے کسی موقف کا اظہار نہیں کیا ہے نہ ہی آئندہ ان سے اپنے آقا کے مقابلے میں کسی رد عمل کی امید کی جاسکتی ہے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بیرونی افواج اور کابل ادارہ اس فیصلہ کو ایک عام اور معمولی فیصلہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کریں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کوئی معمولی فیصلہ اور عام حالت نہیں ہے۔ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو افغانستان پر قبضہ جمانے کے بعد سے لے کر آج تک جاری اس جنگ میں یہ ایک ایسا فیصلہ ہے کہ فوجی امور کے غیر جانبدار ماہرین اس کو طالبان کے مقابلے میں بیرونی افواج اور کابل ادارے کی واضح اور حقیقی شکست کا سب سے بڑا سبب سمجھتے ہیں۔

یہ بات دنیا بھی جانتی ہے اور ہم بھی مانتے ہیں کہ بیرونی قابضین اور اندرونی کٹھ پتلی ملیشیا افغانستان میں ہمارے خلاف جاری اس جنگ میں جنگی مشین کے دو ایسے پرزے ہیں جن میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے پر موقوف ہے۔

2001 میں جب امریکہ کی قیادت میں مغربی طاقتوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو ان کا خیال تھا کہ ہماری ہوائی فوج چند دن میں طالبان کا صفایا کر دے گی اور ہم بڑے آرام کے ساتھ افغانستان کی زمین پر اتر کر افغانستان پر قبضہ کرلیں گے اس کے بعد افغانستان کی حکومت مغرب میں پلنے بڑھنے والے صرف نام کے افغانوں کے ہاتھ تھمادیں گے اور تمام بڑے عہدے ان میں تقسیم کریں گے۔ یہی وجہ تھی کہ امریکہ نے شمالی اتحاد کے نام سے مشہور شریر ملیشیا کو جنگ سے دور رکھا اور انہیں جنگ میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دی۔ لیکن فضا سے شدید بمباری کے باوجود جب مہینہ بعد بھی امریکہ اور اس کے حواری طالبان کے خوف سے میدان میں اترنے پر قادر نہ ہوسکے اور اگر کہیں اترے بھی تو مقابلہ نہ کرسکے اس لئے مجبوراً ان شریر اور فسادی ملیشیاؤں کو ساتھ میں شامل کرلیا اور طالبان کے خلاف لڑنے کی اجازت دیدی، جس کی وجہ سے بیرونی افواج کا زمین پر اترنا اور یہاں قبضہ جمانا آسان ہوا۔ اور بات صرف حملے اور قبضہ کے آغاز کی نہیں بلکہ تب سے لے کر آج تک بیرونی طاقتیں جنگ جاری رکھنے اور اپنی حفاظت کے لئے انہی ملیشیاؤں کی مدد اور تعاون کے محتاج ہیں، ان کی تعاون کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

رہی بات افغان کٹھ پتلی حکومت کی، تو بیرونی افواج کو ان کا احتیاج اظہر من الشمس ہے اور اس کا اقرار وہ خود بھی کرتے رہے ہیں کہ بیرونی افواج کی غیر موجودگی میں ہم دو تین دن بھی طالبان کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکیں گے۔ تو افغانستان میں جاری اس جنگ کے دونوں پرزوں کا آپس میں اس قسم کا تعلق ہے کہ اگر یہ ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں تو یہ جنگ کو مزید طول نہیں دے سکتے اور ایک دوسرے کا مکمل ساتھ دینے کے لئے از حد اعتماد ضروری ہے جو کہ اب ان کے درمیان نہیں رہا۔ جس کا کھل کر اظہار بیرونی افواج نے اس نئے اقدام سے کر کے یقینی شکست کی طرف ایک انتہائی بڑا قدم اٹھالیا ہے۔

طالبان نے گزشتہ 17 برس سے جاری اس جنگ میں مختلف جنگی حکمت عملیاں اپنائیں ہیں جن کی روک تھام سے دشمن بھی عاجز آگیا ہے لیکن طالبان کا اپنے بے شمار مجاہدین کا دشمن کی صفوں میں داخل کرنا ایک ایسی کامیاب حکمت عملی ہے جو دشمن کی شکست میں اہم کردار ادا کرے گی۔ ان شاءاللہ

امید یہی ہے کہ طالبان نے اپنی بھرپور توجہ اب اسی جانب مبذول کی ہوگی اور اپنے زیادہ تر فدائین کو دشمن کی صفوں میں داخل کرائیں گے بلکہ داخل کرایا ہوگا۔ دشمن کی صفوں میں داخل ہونے والا فدائی دشمن کو اس قدر بھاری نقصان سے دوچار کر سکتا ہے جتنا آمنے سامنے جنگ میں سو مجاہدین بھی نہیں پہنچا سکتے۔ واضح رہے کہ اصل مقصد نقصان کی زیادتی یا کمی نہیں بلکہ اہم بات دشمن کی صفوں میں ڈر اور خوف کا پھیلانا اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنا ہے جس کی بدولت دشمن اتنے بڑے فیصلے کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔

ایک مجاہد کا تن تنہا صوبہ کے اہم ترین اور محفوظ مقام گورنر ہاؤس میں نیٹو افواج کے سربراہ اور صوبہ کے بڑے رہنما، گورنر، ڈی آئی جی اور انٹیلی جنس کے سربراہ پر حملہ کرنا ایک بڑی کامیابی اور دشمن کے لئے بڑے خوف اور ڈر کا باعث ہے۔ جنگی اصول کے مطابق حملے میں بچ جانے والے بھی ہلاک تسلیم کئے جاتے ہیں کیونکہ حملے کی زد میں تو آہی گئے ہیں۔ اور یہی ہمارے لئے اہم ہے۔

یہ خیال کرنا کہ افغان فوج کے ساتھ بالمشافہ ملاقات نہ کرنے سے یہ لوگ اس قسم کے حملوں سے محفوظ ہوجائیں گے امریکہ اور نیٹو کی خام خیالی اور حماقت ہے۔ یہ اقدام انہیں ایک دوسرے پر بے اعتمادی کے باعث طالبان کے مقابلے میں مزید کمزور تو کر سکتا ہے لیکن داخلی حملوں سے بچا نہیں سکتا۔ اب دشمن کی صفوں میں داخل مجاہدین، افغان فوجی مراکز سے بیرونی افواج کے مراکز پر زمینی حملے کریں گے اور عنقریب وہ وقت بھی آنے والا ہے کہ افغان فوج میں شامل مجاہدین افغان فوج کے مراکز سے طیارے اڑا کر بیرونی فوج کے مراکز پر بڑے بڑے بم برسائیں گے۔

افغان قوم اور مسلمان ملت مطمئن رہے کہ مجاہدین کے ان کامیاب ضربوں نے دشمن کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، دشمن میں اب مزید ٹھہرنے کی سکت نہیں رہی، بہت جلد شرمناک شکست کے ساتھ افغانستان سے دم دبا کر بھاگ جائے گا اور پوری دنیا سمیت یہ خطہ ان کے شر و فساد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائے گا۔ ان شاءاللہ

عالمی عدالتِ انصاف کو امریکی دھمکی

حسن مہمند

امریکانے دوسری جنگ عظیم کے پیش آنے اور اختتام تک اور اس کے بعد سے اب تک اپنی طاقت کا بہت ناجائز فائدہ اٹھایاہے۔ اُس نے اپنے مفادات کے لیے دنیا کے بڑے حصے کو بدامنی کا شکار کیا ہے۔ دنیا کو جنگوں کا مرکز اور انسانوں کے مقتل میں بدل دیا ہے۔ عملی لحاظ سے ہمیشہ بہت بے شرمی اور بدمعاشی سے ان تمام عالمی اصولوں اور قوانین کو توڑا، جو اس نے خود وضع کیے تھے۔ جنگی جرائم کے معاملات نبٹانے کے لیے ہالینڈ کے شہر ہیگ میں عالمی عدالت قائم کی گئی ہے۔ اس کا مقصد جنگی مجرموں کے حوالے سے تحقیق اور فیصلہ دیناہے۔ عالمی عدالت نے افغانستان میں امریکی جارحیت کے نتیجے میں بے گناہ مارے جانے والے افغان شہریوں کے حوالے سے تحقیق کاارادہ ظاہر کیاہے۔ جس کی وجہ سے یہ ادارہ شدید ردعمل کا سامنا کر رہاہے۔ امریکانے اس ادارے کو شدید دھمکیاں دی ہیں۔

امریکا بدمعاشی کی تمام حدود پار کر چکا ہے۔ وہ انتہائی شدید الفاظ میں اس ادارے کو دھمکی دیتاہے۔ امریکی صدر کے مشیر برائے سکیورٹی امور جان بولٹن نے کہاہے کہ ہیگ کی جانب سے افغانستان میں جنگی جرائم کی تحقیقات کا آغاز کیا گیا تو یہ بڑی بے انصافی ہوگی۔ امریکا اس عدالت کے بائیکاٹ کا اعلان کر دے گا۔ اس کے ساتھ جاری تمام تعاون بھی بند کر دیا جائے گا۔ جان بولٹن نے کہاہے کہ ہیگ کی عالمی عدالت کو یہ حق حاصل نہیں کہ افغانستان میں امریکا کی 17 سالہ جنگ میں ہونے والے جنگی جرائم کے حوالے سے تحقیق کرے۔ ہیگ نے اپنی حدود سے تجاوز کیا تو امریکا ہیگ کے ججوں اور ان کے سہولت کاروں کو سخت سزا دے گا۔ ہیگ کے جو ججز افغانستان میں ہماری سترہ سالہ جنگ کے حوالے سے جنگی جرائم کی تحقیقات کر رہے ہیں، اس کی سماعت کر رہے ہیں ان ججز اور ان کے سہولت کاروں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالا جائے گا۔ بولٹن نے ہیگ عدالت کو امریکا، اسرائیل اور دیگر اہم اتحادیوں کے لیے بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ ہیگ کی عالمی عدالت نے امریکا، اس کے اہم اتحادیوں، کابل انتظامیہ، شمالی اتحاد، رشید دوستم اور جارحیت پسندوں کے خلاف بر سرِ پیکار مجاہدین کے حوالے سے جنگی جرائم کی تحقیق اور ٹرائل کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ جس کے رد عمل میں کسی نے بھی اتنا سخت رد عمل نہیں دکھایا، جتنا امریکا نے ظاہر کیا ہے۔ امریکا نے اس قضیے میں اسرائیل کا ساتھ دیتے ہوئے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تمام حدود پار کرلی ہیں۔ بولٹن نے کہا کہ ہیگ کی عدالت نے کسی امریکی یا کسی اسرائیلی کو نشانہ بنایا تو ہم ہیگ کے ججوں اور تحقیقات میں شامل لوگوں کو معاف نہیں کریں گے۔ ہم انہیں گرفتار کریں گے۔ سزادیں گے اور تمام مالی تعاون بند کر دیں گے۔

بولٹن نے امریکا میں ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے عالمی عدالت کو دی جانے والی دھمکیوں کو بجا قرار دیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ عالمی عدالت کی جانب سے امریکی حکومت کو دی جانے والی ایک درخواست میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ امریکا اپنی مسلح فوج اور انٹیلی جنس نیٹ ورک کی جانب سے جنگی جرائم کے حوالے سے امریکی عدالت کو معلومات دے۔ خصوصاً گوانتاناموکی جیل میں قیدیوں کے ساتھ ہونے والے تشدد اور اس کے نتیجے میں ہلاک ہونے والے افراد کے حوالے سے تفصیلی معلومات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ امریکی حکومت نے اس حوالے سے معلومات دینے سے انکار کر دیا اور اس عالمی عدالت کو اس کام سے روک دیا۔ عالمی عدالت نے کہا تھا کہ افغانستان میں امریکی فوج اور جاسوسی نیٹ ورک کی جانب سے ہونے والے جنگی جرائم کے بارے کسی مناسب موقع پر تحقیقات کی جائیں گی۔ اس لیے امریکا نے ان تحقیقات کو روکنے کے لیے عالمی عدالت کو دھمکی دی ہے۔ بولٹن کی اس دھمکی کے جواب میں ہیگ کی جانب سے کوئی رد عمل سامنے نہیں آیا۔ صرف اتنا ہی کہا گیا

ہے کہ دنیا کے 123 ممالک ہیگ کے حامی ہیں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھی کئی مواقع پر جنگی جرائم کی تحقیقات کے لیے ہمارے فیصلے تسلیم کیے ہیں اور ان پر اعتماد کیا ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں نے ہیگ کو دی جانے والی امریکی دھمکیوں کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے۔ کہا ہے کہ یہ ان لوگوں کی شدید توہین ہے، جو حالیہ جنگ میں جنگی جرائم کا شکار ہوئے ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ کی اعلیٰ رہنما لز ایونس نے کہا ہے کہ امریکا کی جانب سے یہ دھمکیاں جنگ کے متاثر افراد کی توہین کے مترادف ہے۔ افغانستان، شام اور برما میں انسانی حقوق کی بڑے پیمانے پر پامالی اور جنگی جرائم کو دیکھتے ہوئے ہیگ جیسی عدالتوں کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ دنیا بھر کے بہت سے اخبارات میں اور ذاتی رابطوں کے نیٹ ورکس پر امریکا کی ان دھمکیوں کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اسے امریکا کی بدمعاشی اور عالمی قوانین کی پامالی قرار دیا گیا ہے۔ افسوس کہ اقوام متحدہ اور بڑے ممالک کے سربراہان اور سیاسی رہنماؤں کی جانب سے ان دھمکیوں بارے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔ امریکا کی اس عریاں بدمعاشی کی کسی نے مذمت نہیں کی۔ دنیا جانتی ہے کہ امریکا خود کو انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظ قرار دیتا ہے۔ انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر اپنے ساتھ مغربی اتحادیوں کو ملاتا ہے۔ مختلف ممالک پر جارحیت کرتا ہے۔ نظاموں کو گراتا ہے اور آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدلتا ہے۔ یہ سب کچھ امریکا کی انسان دوستی سمجھا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ سمیت دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جو اس سے سوال کرے کہ انسانی حقوق کے تحفظ اور انسانوں کو متوقع خطرے سے بچانے کے لیے شہروں کو کھنڈرات میں بدلنا، لاکھوں انسانوں کو مارنا انسانیت کا تحفظ ہے یا انسانیت کے ساتھ دشمنی؟

جنگی جرائم کے مرتکبین کے لیے بنی عدالت میں مسلمان نہیں، بلکہ امریکا کے اتحادی جارحیت پسند ممالک سے تعلق رکھنے والے ان کے مذہب کے پیروکار بیٹھے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ وہ امریکا کے ساتھ کسی قسم کا متعصبانہ رویہ نہیں رکھیں گے تو امریکا انہیں تحقیقات کی اجازت کیوں نہیں دے رہا؟ اگر امریکا نے افغانستان میں جنگی جرائم کا ارتکاب نہیں کیا، گوانتاناموبے، بگرام اور عراق کے بوکا اور ابوغریب جیل میں قیدیوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک نہیں کیا تو وہ کیوں ہیگ کی تحقیقات سے ڈرتا ہے؟ عدالت نے دنیا کے بڑے عسکری رہنماؤں اور حکمرانوں کے خلاف تحقیقات کیں اور انہیں مجرم ثابت کیا ہے۔ اگر امریکا کے مطابق وہ تمام تحقیقات اور فیصلے درست اور ماننے کے قابل تھے تو ابھی افغانوں پر امریکی مظالم اور وحشتوں کے حوالے سے اس کی تحقیقات کی مخالفت کیوں کر رہا ہے؟ امریکا خود کو عالمی قوانین سے برتر کیوں سمجھتا ہے؟ وہ کیوں کہتا ہے کہ یہ عدالت افغانستان میں امریکا کی سترہ سال جنگ کے حوالے سے تحقیقات کا حق نہیں رکھتی ہے۔ کیا افغانستان کے لوگ انسان نہیں؟ دنیا میں کوئی ایسا قانون بھی ہے، جس نے طے کر دیا ہے کہ افغان عوام انسانیت کے دائرے سے نکلے ہوئے ہیں۔ جس سے ان کا خون معاف ہے؟ اگر امریکی اتحادی واقعتاً انسانی حقوق اور عالمی قوانین کے نفاذ کے لیے تیار ہیں تو انسانی حقوق کی پامالی کے اتنے بڑے مجرم کے زیر قیادت اس ملک میں کیوں لڑ رہے ہیں، جہاں اس نے اتنے بڑے پیمانے پر انسانی حقوق پامال کیے ہیں؟

اتحادی ممالک تو اس لیے خاموش ہوں گے کہ وہ اس جرم میں شریک کار ہیں۔ سوال یہ ہے کہ امریکا اور دیگر شہروں کے عوام کیوں خاموش ہیں؟ کیا اب بھی یہ بات ٹھیک ہوگی کہ مغربی عوام اپنی حکومتوں کے جرائم پر راضی نہیں ہیں؟ اگر راضی نہیں ہیں تو اپنی حکومتوں کے خلاف رائے کا اظہار کیوں نہیں کرتے؟ بلاشک و شبہ دنیا کی یہ خاموشی بہت بڑا جرم ہے۔ مجرم کو مجرم قرار دینا اور اس کا جرم دنیا کو دکھانا تو اچھی بات ہے۔ مگر اصل کام مجرم کو جرم سے روکنا ہے۔ گوانتاناموبے، بگرام، ابوغریب اور دیگر جیلوں میں قیدیوں کے ساتھ امریکی فوج کے وحشیانہ سلوک سے دنیا بہت پہلے واقف ہو چکی ہے۔ ان کی تصویریں شائع ہو چکی ہیں۔ افغانستان میں دیہاتوں اور شہروں میں رات کی تاریکی میں تلاشی کے نام پر گھروں میں گھسنا، عوام کا قتل عام اور تذلیل کا سلسلہ آغاز ہی سے شروع ہے۔ ہیگ عدالت کو اسی وقت حرکت میں آ جانا چاہیے تھا، تاکہ اس وحشت کی روک تھام ہو جاتی۔ 17 سال بہت طویل دورانیہ ہے۔ یہ عدالت اتنے طویل عرصے تک کہاں تھی؟ اب جب امریکا افغانستان میں شکست کھا رہا ہے اور اپنے لیے فرار کی راہ تلاش کر رہا ہے تو ایسی خبروں کا اٹھنا اپنے ساتھ بہت سے سوالات اٹھاتا ہے۔

شاہد غزنیوال

امریکی جارحیت کے منفی اثرات

17 سال قبل 7 اکتوبر کو امریکا نے افغانستان کی مقدس جہادی سرزمین پر ظالمانہ جارحیت کا آغاز کیا۔ برطانیہ اور روس کی نسبت امریکی جارحیت میں بہت فرق ہے۔ انگریز اور سوویت یونین کو پوری دنیا جارحیت پسندوں کے القاب سے پکارتی تھی۔ 2001ء میں اکتوبر میں ہونے والی امریکی جارحیت کو بین الاقوامی سطح پر کسی ملک نے جارحیت قرار نہیں دیا، بلکہ اس کی خاموش حمایت کی۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ تھی کہ افغانستان کے اندر جن لوگوں نے روس کے خلاف جہاد میں قائدین کا کردار ادا کیا تھا، وہ بھی امریکی دھمکی سے ڈر گئے کہ 'ہمارا ساتھ دو یا ہمارے دشمن کا'۔ بجائے یہ کہ وہ امریکا کو بھی روس کی طرح دوٹوک جواب دیتے، امریکا کے کٹھ پتلی بن کر اس کے لیے افغانستان کے طول و عرض میں جارحیت کی راہ ہموار کرنے میں مشغول رہے۔

افغانستان پر جارحیت سے امریکا دنیا کو چند پیغامات دینا چاہتا تھا۔ سب سے پہلے یہ کہ اس نے پوری دنیا پر اپنی قوت عملی طور پر منوالی۔ پوری دنیا کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر اپنا ہمنوا اور اتحادی بنا کر امریکی مفادات کے مخالفین کو نشانہ بنایا۔ سب سے پہلے وارسا معاہدے کے سابقہ رکن ممالک نے امریکا کے ساتھ اتحاد کرتے ہوئے اپنی فوج امریکا کے حوالے کردی۔ امریکا کا دوسرا پیغام یہ تھا کہ اس نے افغانستان کی سرحد پر واقع خطے کی بڑی اقتصادی اور فوجی قوتوں چین اور روس کو بھی اعتماد لیا۔ روس نے جارحیت کے آغاز میں امریکا کی حمایت کی اور انٹیلی جنس معلومات شیئر کرنے کے بہانے اس کی فوجی امداد کی۔ جس کے بدلے امریکا نے ان ممالک کو افغانستان میں چند اقتصادی پروجیکٹس میں سرمایہ کاری کرنے کی اجازت دی۔ جس کی ایک مثال چین کو دیا جانے والا کرومائٹ کی کان کنی کا ٹھیکہ ہے۔ جس پر ابھی تک کام کا آغاز تو نہیں ہوا، البتہ یہ سارے منصوبے امریکی مفادات کو مدِ نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔

کسی بھی ملک پر ناجائز قبضہ اور جارحیت ایک ناروا عمل ہے۔ جارحیت کے منفی اثرات ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ امریکا نے اپنی وحشت کو دہشت گردی کے خلاف جنگ، امن و امان کے قیام، منشیات کی روک تھام اور افغانستان کی تعمیر و ترقی کا نام دیا تھا۔ افغان عوام نے 17 سالوں میں امریکی جارحیت کے جو مناظر دیکھے، اسے صرف وحشت کا نام دیا جاسکتا ہے۔ امریکا ان خوش نما نعروں کے تحت جن جنگی جرائم کا مرتکب ہوا ہے، اسے انسانی ڈکشنری میں وحشت کے علاوہ کوئی لفظ نہیں دیا جاسکتا۔ ذیل کی سطور میں 17 سالوں کے دوران ان جنگی جرائم کی طرف اشارہ کیا ہے، جن کا ارتکاب امریکا نے تعمیر و ترقی اور قانون کی حاکمیت کے عنوان کے تحت کیا ہے۔

افغانستان پر امریکی جارحیت کا سب سے بڑا بہانہ یہاں سکیورٹی صورت حال کو بہتر بنانا تھا۔ جب 2001ء میں صدر جارج ڈبلیو بش نے صلیبی جنگ کے نام سے افغانستان پر حملے کا ارادہ کیا تو ان کا بہانہ صرف یہ تھا کہ وہ افغانستان سے اسلامی حکومت کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ 17 سالہ جنگ کے بعد امریکا کے موجودہ صدر ٹرمپ افغانستان میں 21 مختلف جنگجو گروہوں کی موجودگی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ البتہ 21 جنگجو گروہوں کا دعوی ہے کہ امریکا کا یہ اعتراف اپنی جارحیت کو جواز فراہم کرنے کے لیے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امریکی جارحیت پسندوں نے لاکھوں صلیبی فوجیوں کے ساتھ افغانستان کے عوام کے قتل عام اور اس ملک میں غیر یقینی حالات پیدا کرنے کے لیے بدنام زمانہ بلیک واٹر کے تربیت یافتہ اور اجرتی قاتلوں کا گروہ

داعش کی صورت میں افغانستان بھیجا۔اس کے علاوہ دیہات اور شہروں کے عوام کی باہمی قبائلی، لسانی اور علاقائی رنجشوں کو ہوا دینے کے لیے مقامی جنگجوؤں کے کئی مسلح وِنگ تشکیل دیے۔ان جنگجوؤں نے افغانستان کے امن و امان کو امریکا سے زیادہ تاراج کیا ہے۔

ان تمام جرائم کے باوجود ٹرمپ اسٹریٹیجی کے تحت گزشتہ ایک سال سے افغان عوام پر اندھی بمباریوں اور چھاپوں کا ایک ایسا وحشیانہ سلسلہ شروع ہوا ہے، جس میں یوناما کی رپورٹ کے مطابق شہریوں کے اموات میں 52 فیصد تک اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ امریکی جارحیت پسند یہ دعوی کرتے تھے کہ ہم یہاں ایک جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لائیں گے۔ دیکھا جائے تو 17 سال کے دوران ایک ایسا نظام افغان عوام پر مسلط کیا گیا ہے، جس نے قانونی، فوجی اور سیاسی شعبوں میں درج ذیل ریکارڈ اپنے نام کیے:

کرپشن کے لحاظ سے دنیا میں سب سے آگے۔

انسانی حقوق کی پامالی میں بین الاقوامی سطح پر پہلا نمبر۔

قومی وسائل کی لوٹ مار اور امدادی فنڈ زہڑپ کرنے میں پہلا مقام۔

’خانہ آزادی افغانستان‘ کے نام سے ایک غیر سرکاری تحقیقاتی ادارے نے افغانستان میں قانون کی حاکمیت کے بارے ایک سروے رپورٹ تیار کی، اس میں کہا گیا ہے کہ ’افغانستان میں اشرف غنی اور عبداللہ کی حکومت کا قیام ہی غیر قانونی ہے۔ وہ افغانستان کی آئین کے تحت بنائی گئی ہے نہ دنیا میں مروج حکومت بنانے کے قوانین میں اس کی مثال ملتی ہے۔‘ کٹھ پتلی اور کرپٹ حکومت کا یہ کارنامہ بھی اپنی مثال آپ ہے کہ اس کے نائب صدر ایک 60 سالہ بزرگ پر جنسی زیادتی کے جرم میں عدالتی مقدموں کا سامنا کر رہے ہیں۔ دوسرا کارنامہ اس حکومت کا یہ ہے کہ کاپوراد ور صدر اور نائب صدر کے درمیان اختلافات میں گزر گیا ہے۔ وہ اب تک اپنی مکمل کابینہ کی تشکیل میں ناکام رہے ہیں۔

امریکی جارحیت پسندوں کا تیسرا اقدام منشیات کے خلاف مہم اور پوست کے کاشت کی روک تھام کا نعرہ تھا۔ 17 سال کے دوران منشیات کی پیداوار میں بے تحاشا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ منشیات کے خلاف مہم چلانے والی اقوام متحدہ کی تنظیم نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ امریکی جارحیت سے قبل پورے افغانستان کی صرف 185 ہیکٹر زمین پر پوست کاشت ہوتی تھی۔ وہ بھی طالبان کے مخالفین کے زیر کنٹرول علاقے تھے۔اس کے علاوہ افغانستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ افغانستان پر امریکی جارحیت کے بعد پوست کی کاشت 185 ہیکٹر سے بڑھ کر 3 لاکھ 28 ہزار کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی۔ جب کہ حال ہی میں افغانستان میں منشیات کے عادی افراد کی تعداد 35 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ 21 دسمبر 2017ء کو اس ادارے نے اپنی سالانہ رپورٹ میں کہا کہ 2017ء میں پوست کی کاشت میں 78 فیصد، جب کہ اس کی پیداوار میں 63 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ جس کی وجہ سے منشیات کی پیداوار 9000 میٹرک ٹن سے تجاوز کر گئی ہے۔

گزشتہ سال ایک بین الاقوامی تنظیم نے اپنی سالانہ رپورٹ میں واضح کیا کہ افغانستان میں کرپشن پچھلے سال کی نسبت بڑھ گئی ہے۔ مذکورہ رپورٹ کے مطابق افغانستان صومالیہ اور شمالی کوریا کے بعد دنیا کا تیسرا کرپٹ ملک ہے، جہاں قومی وسائل کرپٹ عناصر کے ہاتھوں لُٹ رہے ہیں۔

امریکی جارحیت سے قبل عورتوں پر تشدد اور ان کو ہراساں کرنے کا کوئی تصور افغان معاشرے میں موجود نہیں تھا۔ مغربی قوتوں کی پوری توجہ خواتین کے حقوق کی طرف مرکوز کی تھی۔ اس کے باوجود خواتین پر تشدد اور انہیں ہراساں کرنے کے واقعات میں آئے روز اضافہ ہو رہا ہے۔افغانستان میں انسانی حقوق کی تنظیم کے مطابق گزشتہ سال 4000 کیس اس تنظیم میں رجسٹرڈ ہوئے ہیں، جن میں خواتین پر تشدد ان کے حقوق کی پامالی اور ہراساں کرنے کے

واقعات شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق یہ واقعات ہر دفعہ پچھلے سال کی نسبت زیادہ رجسٹرڈ ہوتے ہیں۔

افغانستان کے ادارہ شماریات کے ایک سروے کے مطابق 2017ء میں 54 فیصد لوگ غربت کی لکیر کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سروے افغانستان کے 34 صوبوں کی 342 یونین کونسلز میں 155680 افراد کے انٹرویوز کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا ہے۔ سروے میں افغانستان کے 67 فیصد رقبے کو شامل کیا گیا ہے۔ حسیب اللہ موحد اس ادارے کے نائب سربراہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سروے کے مطابق 44 فیصد افغان عوام کو غذائی قلت کی شکایت ہے۔ جب کہ غربت کی شرح 24 فیصد ہے۔

جارحیت کے منحوس سائے میں کئی مشکلات کے ساتھ افغانستان میں تعلیم کا گراف بھی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا ہے۔ ستمبر 2017ء کو اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم یونیسکو نے یومِ خواندگی کے عالمی دن کی مناسبت سے اپنی رپورٹ میں کہا کہ افغانستان میں 11 ملین لوگ تعلیم کی نعمت سے محروم ہیں۔ افغانستان کی 30 ملین کی آبادی میں اتنی بڑی تعداد کی علم سے محرومی افغانستان کے مستقبل کے لیے ایک بُری خبر ہے۔

اپنے علاقوں سے نقل مکانی غیر ملکی جارحیت کی ایک اور آفت ہے، جس سے افغان دوچار ہیں۔ اقوام متحدہ کی تنظیم یو۔ این۔ ایچ۔ سی۔ آر کی رپورٹ کے مطابق نقل مکانی کرنے اور گھر چھوڑنے والے لوگوں کی تعداد ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ ہے۔ یاد رہے ان لوگوں کو زبردستی نقل مکانی پر مجبور کیا گیا ہے۔ یہ تعداد ان کے علاوہ ہے، جو ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ ان کی تعداد بھی UNSCEAR کے مطابق چار سے ساڑھے چار لاکھ کے درمیان ہے۔ وہ غیر قانونی طور پر یورپی ممالک میں پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنی منزل مقصود پر پہنچنے سے قبل سمندر کی بے رحم موجوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

کرپشن، غربت، بے روزگاری اور نقل مکانی کے ساتھ ایڈز کی مہلک بیماری ایک اور جان لیوا مصیبت ہے، جو امریکی جارحیت کی وجہ سے افغانستان میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ (بلکہ پھیلائی جا رہی ہے۔) افغانستان جیسے مذہبی ملک میں ایڈز جیسی مہلک بیماری کے نام سے بھی لوگ واقف نہیں تھے۔ چہ جائے کہ کوئی شخص اس بیماری کا شکار ہوا ہو۔ امریکی جارحیت کے بعد وزارت صحت عامہ کی رپورٹ کے مطابق اب 9000 سے زیادہ افراد اس شرمناک اور مہلک بیماری کا شکار ہو چکے ہیں۔ مذکورہ وزارت کے طبّی ماہرین نے افغانستان میں ایڈز کی تیزی سے بڑھتی شرح کو ایک سونامی وبا کہا ہے، جو بہت تیزی سے افغان معاشرے میں پھیل رہی ہے۔ یہاں منشیات کے عادی افراد کی تعداد بھی تین ملین کے قریب ہے۔ انہی افراد میں ایڈز کے وائرس سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ آئے دن اس تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

درج بالا حقائق امریکی جارحیت کے نتیجے میں پیدا ہونے حالات اور اثرات کا محض ایک نمونہ ہیں۔ ان واقعات کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ افغانستان پر امریکی جارحیت صرف افغان عوام پر ظلم نہیں، بلکہ یہ پوری انسانیت کے خلاف ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ امریکا افغانستان میں ایسے جنگی جرائم کا مرتکب ہوا ہے، جس کی اجازت دنیا کے کسی انسانی قانون میں نہیں ملتی۔ موجودہ امریکی جارحیت پسندوں کی مثال زمانہ جاہلیت کے ان مشرکین کی طرح ہے، جو اپنے تمام مفاسد کو مصالح کے نام پر کر گزرتے تھے۔ قرآن کریم میں ان کے بارے اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ (١١) الا انهم هم المفسدون ولكن لا تشعرون- (البقرة12)

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم بھلائی کرنے والے ہیں۔ جان لو کہ بے شک یہی فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن وہ اس بات کی عقل نہیں رکھتے۔

سکیورٹی فوج کی ہلاکتوں میں اضافہ

سیف العادل احرار

رواں سال کے دوران طالبان کے ساتھ جھڑپوں میں افغان سکیورٹی فوج کی ہلاکتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوا ہے۔ اوسطاً ہر ماہ ایک ہزار اہل کار مارے جاتے ہیں۔ جب کہ گزشتہ ایک ماہ کے دوران جھڑپوں اور حملوں میں 513 فوجی ہلاک اور 718 دیگر زخمی ہوئے۔ جب کہ پولیس، لیویز اہل کاروں اور کابل انتظامیہ میں امریکی فوج کے ساتھ خدمات انجام دینے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں افغان فوج کی ہلاکتوں پر ملک بھر میں سخت رد عمل سامنے آیا ہے۔ حکومتی اداروں میں سخت تشویش پائی جاتی ہے۔ پارلیمنٹ کے ارکان، سیاسی رہنماؤں اور سول سوسائٹی کے کارکنوں کی جانب سے امریکا کے ساتھ سکیورٹی معاہدے پر بھی سخت تنقید کی گئی ہے۔ اس کو تمام مسائل کی بنیاد قرار دیا ہے۔ میڈیا رپورٹ کے مطابق صرف گزشتہ ہفتے جھڑپوں اور حملوں میں پولیس و فوج کے اہل کاروں کی ہلاکتوں میں دہرا اضافہ ہوا۔ ایک اندازے کے مطابق روزانہ 57 اہل کار مارے گئے، جو بہت تشویش ناک اعداد و شمار ہیں۔ وزیر دفاع طارق شاہ براہمی نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ سکیورٹی فوج کو پچھلے ماہ بہت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ صرف گزشتہ ایک ماہ میں 513 اہل کار ہلاک اور 718 زخمی ہوئے۔ دوسری جانب وزیر داخلہ وائس احمد برمک نے بھی سکیورٹی فوج کی بڑھتی ہوئی ہلاکتوں پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ روزانہ درجنوں اہل کار مارے جا رہے ہیں۔ یہ حکومت کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ دفاعی امور کے تجزیہ کار نے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ انتظامی امور میں خامیاں پائی جاتی ہیں۔ جب کہ بین الاقوامی شراکت دار افغان فوج کو معمولی سہولیات فراہم کرتے ہیں۔ اشرف غنی نے بھی اعتراف کیا کہ حکومتی امور میں سیاسی اور سماجی مداخلت اور فوج کی تعیناتی کے بارے غلط فیصلے سکیورٹی فوج کی ہلاکتوں میں اضافے کا باعث بنے۔

ادھر امریکی وزیر دفاع جیمز میٹس نے طالبان کے حملوں میں افغان فوج کی بڑھتی ہلاکتوں کے تناظر میں حکمت عملی تبدیل کرنے کا اعلان کیا ہے۔ میٹس نے پینٹاگون میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ افغان فوج کو گزشتہ برس کے مقابلے میں زیادہ ہلاکتوں کا سامنا ہے۔ وہ اس کے باوجود جنگی کارروائیوں میں شریک ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم اپنی حکمت عملی میں تبدیلی لا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم مخصوص علاقوں میں افغان فوج کے ساتھ اپنے تعاون میں اضافہ کر رہے ہیں۔ تاہم انہوں نے اس کی تفصیلات نہیں بتائیں کہ یہ تعاون کس طرح کیا جائے گا؟ تجزیہ کاروں کا کہنا ہے فوجیوں اور شہریوں کی ہلاکتوں کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رواں برس افغانستان میں ہلاکتوں کی تعداد میں شامی تنازع میں مرنے والوں سے بھی زیادہ ہو سکتی ہیں۔ تجزیہ کاروں کے مطابق میدان جنگ میں ڈونلڈ ٹرمپ کی پالیسی بھی اپنے پیش روؤں کی طرح ناکام رہی ہے۔ دوسری جانب امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے مطابق انہی ہلاکتوں کی وجہ سے افغان فوج میں مزید بھرتیوں کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے۔ لوگ بھرتی کے مراکز کا رخ کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔

دوسری جانب امارت اسلامیہ نے بھی گزشتہ دو ماہ میں قابض اور اجرتی فورسز کے جانی و مالی نقصانات پر مشتمل رپورٹ جاری کی ہے۔ اس کے اعداد و شمار کے مطابق اگست اور ستمبر میں مجاہدین کے ساتھ جھڑپوں میں مجاہدین نے دشمن پر 2031 حملے کیے ہیں۔ ان میں ایک فدائی حملہ بھی شامل ہے۔ ان حملوں میں 36 قابض فوجی ہلاک اور 21 زخمی ہوئے۔ افغان فوج کی ہلاکتوں کی تعداد خوف ناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ 4249 اہل کار ہلاک، جب کہ 2800 زخمی ہوئے۔

ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد 1697 ہے۔ 338 ٹینک، فوجی گاڑیاں اور ہتھیار ضبط، 759 تباہ کر دیے گئے ہیں۔ دو ڈرون طیارے اور 4 ہیلی کاپٹر مار گرائے گئے۔

دفاعی امور کے تجزیہ کار جنرل محمد گل مجاہد کا کہنا ہے کہ وزیر دفاع کے اعتراف کے مطابق ایک ماہ کے دوران بارہ سو فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ جب کہ پولیس، لیویز اور حکومت نواز جنگجوؤں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ ان سب کی تعداد ملا کر ایک ماہ کے دوران تین ہزار سے زائد اہل کار مارے جاتے ہیں۔ وزیر دفاع نے دعوی کیا کہ چار گنا زیادہ مخالفین نشانہ بنتے ہیں۔ جن کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچتی ہے۔ عام شہریوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ اس کا مطلب ہے ہر ماہ 15 ہزار سے زائد افغانی لقمہ اجل بنتے ہیں۔ آخر ہم کس کے لیے اور کس اعلی مقصد کے لیے قربانی دیتے ہیں؟ کب تک یہ قربانی دیتے رہیں گے؟ کیا اس جنگ اور قربانی سے ہماری قوم اور ملک کو بھی فائدہ ہوگا یا ہم صرف نقصان برداشت کر رہے ہیں اور اس کا فائدہ امریکا اٹھا رہا ہے۔ یہ جنگ امریکا جیت سکتا ہے اور نہ ہی کابل انتظامیہ! پھر ہم کب تک جنگ کی اس آگ میں بطور ایندھن استعمال ہوتے رہیں گے۔ سکیورٹی ادارے کہتے ہیں کہ پورے ملک میں طالبان سمیت تمام مسلح افراد کی تعداد 57243 تک پہنچتی ہے۔ ہم ہر روز میڈیا پر خبر سنتے ہیں کہ آج دو سو مخالفین مارے گئے۔ آج تین سو طالبان قتل ہوئے۔ پھر یہ تعداد کم ہونے کے بجائے بڑھتی کیوں جا رہی ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے چھاپوں اور فضائی حملوں میں عام شہریوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جب کہ ان کے متاثرین طالبان کے ساتھ مل کر بدلہ لینے کے لیے افغان فوج کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں۔ وزیر دفاع، وزیر داخلہ اور دیگر اہم وزراء کے اہل خانہ امریکا، برطانیہ اور مغربی ممالک میں عیاشیاں کر رہے ہیں۔ وزراء یہاں کرپشن اور لوٹ مار اور امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے اعلی عہدوں پر براجمان ہیں۔ یہ ملک کے وفادار ہیں اور نہ ہی انہیں سکیورٹی فوج کی ہلاکتوں پر افسوس ہے۔ وہ صرف اپنے مفادات کے پجاری ہیں۔ وہ اقتدار کی ہوس میں سکیورٹی فوج کی جانوں سے کھیلتے ہیں اور سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ رکن پارلیمنٹ عبیداللہ بارکزئی نے وزیر دفاع کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سکیورٹی فوج کی بڑھتی ہلاکتوں کے ذمہ دار امریکا اور اشرف غنی ہیں۔ امریکا نے ہم پر کرپٹ عناصر، قاتلوں اور لٹیروں کو مسلط کیا ہے۔ ہم غلام ہیں۔ ہمارے تمام ادارے امریکی دباؤ کا شکار ہیں۔ ہمارے والدین اپنے بچوں کی کتنی مشقت سے پرورش کرتے ہیں۔ پھر نورستان، کنڑ، بدخشان، ہرات، تخار، بامیان سمیت دیگر صوبوں سے ملک کی خدمت کے لیے فوج اور پولیس میں بھرتی کے لیے بھیجتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ہمارے رہبر اُن کی رہنمائی کریں گے۔ لیکن انہیں پتا نہیں کہ یہ رہبر نہیں رہزن ہیں۔ جو قومی شاہراہوں پر ڈکیتی کی واردات کرنے والوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ جو ترقی اور ملک کی تعمیر نو کے دشمن ہیں۔ ابھی چند روز قبل ایک بزرگ شخص نے مجھے بتایا کہ ہم اپنے ایک رشتہ دار کی لاش کو وصول کرنے کے لیے کابل میں چار صد بستر ہسپتال گئے۔ وہاں سرد خانے میں فوجیوں کی لاشوں کو رکھا گیا تھا۔ ہمیں 1372 فوجیوں کی ایک لسٹ دکھائی گئی، جو گزشتہ دو ماہ کے دوران طالبان کے ساتھ جھڑپوں میں ہلاک ہوگئے تھے۔ میں نے ڈاکٹروں سے پوچھا کہ اتنی بڑی تعداد میں لاشوں کو سرد خانے میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ انہیں دفن کرنے کے لیے اپنے اہل خانہ کے حوالے کریں۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ اگر اتنی بڑی تعداد میں ہلاکتوں کو منظر عام پر لایا گیا تو ملک میں افراتفری پھیلے گی۔ حکومت کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بارکزئی نے کہا کہ جو اہل کار اپنے صوبوں میں ہلاک ہوتے ہیں، وہیں سپرد خاک کر دیے جاتے ہیں۔ اب ہسپتال کے سرد خانے اور کنٹینروں میں لاشوں کو رکھنے کی جگہ کم پڑ رہی ہے۔

جو لوگ اپنے رشتہ دار کی لاش وصول کرنے کے لیے آتے ہیں، حکام بڑی بے شرمی سے ان سے بھی رشوت طلب کرتے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ ہم استعمار کی جنگ میں بطور ایندھن استعمال ہو رہے ہیں۔ اس جنگ نے ہمارا ملک تباہ کر دیا ہے۔ ہمارے ہزاروں نوجوان، ملکی ادارے، فوج اور عدلیہ سمیت تمام ادارے تباہ ہوگئے۔ امریکی فوج کے انخلا کے بغیر یہ جنگ ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہی امن آ سکتا ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں سکیورٹی اہل کاروں کی ہلاکتوں پر کٹھ پتلی حکمرانوں کو تشویش ہے اور نہ ہی اس کے سدباب کے لیے فکر مند ہیں۔ سکیورٹی فوج کو چاہیے کہ وہ خود کو ہلاکت سے بچائے۔ اس جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے گھر بیٹھ جائیں یا طالبان کے سامنے ہتھیار ڈال کر پرامن زندگی بسر کریں۔

بھیر افغان

زلمے خلیل زاد اور افغان مذاکرات

زلمے خلیل زاد افغان نژاد امریکی ہیں۔ وہ 22 مارچ 1951 میں مزار شریف میں پیدا ہوئے۔ان کے والد پشتون اور والدہ تاجک ہیں۔ ان کے والدین لغمان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد ظاہر شاہ کے دور حکومت میں ایک سرکاری ملازم تھے۔ انہوں نے لغمان سے مزار شریف نقل مکانی کرلی تھی۔ زلمے خلیل زاد نے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کابل میں قاضی کالج میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے امریکا چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک عیسائی عورت سے شادی کی اور اس ملک کی شہریت بھی حاصل کرلی۔

زلمے خلیل زاد تاجر، بین الاقوامی امور کے ماہر اور سفارت کار ہیں۔ جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا اور امریکا اور روس کے درمیان سرد جنگ جاری تھی، تب وہ وائٹ ہاؤس کے مشیر تھے۔ وہ امریکی حکام کو افغانستان بارے مشورے اور معلومات فراہم کرنے کی ذمہ داری ادا کرتے تھے۔ روسی جارحیت کے خلاف افغان جہادی رہنماؤں کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ جب امریکا نے افغانستان پر یلغار کا فیصلہ کیا تو زلمے خلیل زاد ایک بار پھر متحرک ہوئے اور اپنے پرانے دوستوں اور امارت اسلامیہ کے مخالفین کے ساتھ رابطے بحال کیے۔ افغانستان پر امریکی جارحیت کے بعد زلمے خلیل زاد کو بش نے مختلف عہدوں پر فائز کیا اور اقوام متحدہ میں امریکا کا سفیر مقرر کیا۔ بعد ازاں وہ افغانستان اور پاکستان کے لیے نمائندہ خصوصی مقرر کیے گئے۔ وہ عراق میں بھی امریکی سفیر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ وائٹ ہاؤس، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور پینٹاگون میں امریکی پالیسی ساز کمیٹیوں کے ممبر بھی ہیں۔

ٹرمپ افغانستان میں امریکی فوج کی کامیابی کے لیے پرامید تھے۔ انہوں نے انتخابی مہم کے دوران افغانستان سے اپنی فوج واپس بلانے کا اعلان کیا تھا۔ وہ صدر منتخب ہونے کے بعد اپنے منشور پر عمل درآمد کرنا چاہتے تھے۔ امریکی بیوروکریسی نے انہیں سابقہ افغان پالیسی برقرار رکھنے پر مجبور کیا اور نئی پالیسی کے تحت سابقہ پالیسی کو برقرار رکھنے کا اعلان کیا۔ ٹرمپ نے بادلِ ناخواستہ افغان پالیسی بارے ہچکچاتے ہوئے پینٹاگون کے مؤقف اور فرمائش کے مطابق جنوبی ایشیا کے لیے نئی پالیسی پر من و عن عمل کیا اور اس کے تحت افغانستان میں تعینات امریکی فوج کے اختیارات میں مزید اضافہ کر دیا۔ نئی پالیسی کے بعد امریکی فوج نے افغانستان میں وحشیانہ فضائی حملوں اور چھاپوں میں کئی گناہ اضافہ کر دیا۔ اس کے نتیجے میں ہزاروں نہتے شہری شہید اور زخمی ہوئے۔ اسکولز، مساجد، اسپتالوں اور گھروں کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کے باوجود امریکی فوج کو کامیابی نہیں ملی۔ ایک سال کے دوران بڑی تعداد میں امریکی فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اسے اربوں ڈالر کا نقصان ہوا۔

ایک سال کے نتیجے میں نئی پالیسی بھی ناکام رہی۔ جس کی وجہ سے ٹرمپ اور امریکی جرنیلوں کے درمیان تلخی بھی پیدا ہوئی۔ امریکی جرنیلوں نے امریکی ساکھ بچانے کے لیے افغان جنگ جاری رکھنے پر زور دیا۔ ٹرمپ کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی کہ افغانستان میں ایک بھی امریکی فوجی ہلاک یا ڈالر ضائع کیا جائے۔ ٹرمپ نے اس جنگ سے مایوس ہو کر افغانستان میں امریکی فوج کے کمانڈر جنرل نکلسن کو عہدے سے برطرف کر دیا۔ جب کہ جنرل نکلسن جنگ جاری رکھنے کے حامی تھے۔ اُن کی خواہش تھی وہ کہ اس جنگ کی کامیابی کا اعزاز لے کر افغانستان سے واپس جائیں۔ جب کہ ٹرمپ نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ٹرمپ نے امریکی جرنیلوں اور جنگ کے حامیوں کو بتایا کہ ہم ایک ایسے ملک میں اپنی فوج قتل کروا اور کھربوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں، جس

کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ ہم کیوں مفروضوں کی بنیاد پر وہاں اپنا سب کچھ ضائع کر رہے ہیں؟ ہم دنیا کے امن کے لیے اپنے فوجی قتل کرنے اور اپنا پیسہ خرچ کرنے کی پالیسی کب تک جاری رکھیں گے؟ ہم صرف امریکی معیشت کی بہتری اور اس ملک کی ترقی کے لیے کیوں نہیں سوچتے؟

ٹرمپ امریکی جرنیلوں سے مایوس ہو گئے۔ وہ افغان جنگ میں امریکی فوج کو مصروف رکھنے کے حامی نہیں ہیں۔ وہ اس جنگ سے خود کو الگ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اس کے لیے زلمے خلیل زاد کو امریکی وزارت خارجہ کا خصوصی نمائندہ مقرر کر کے اس متنازعہ جنگ سے امریکی فوج کو باعزت نکالنے کا ٹاسک دیا۔ خلیل زاد نے اسی نیت سے افغانستان اور خطے کا تفصیلی دورہ کیا۔ سعودی عرب، پاکستان، افغانستان اور قطر کے حکام سے ملاقاتوں کے بعد امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے نمائندوں کے ساتھ بھی تفصیلی ملاقات کی۔ انہوں نے کابل کا دورہ کیا، اشرف غنی اور ڈاکٹر عبداللہ کے ساتھ دوبارہ ملاقات کی۔ ان دوروں کے بعد زلمے خلیل زاد نے تمام پہلوؤں کو پرکھا اور کچھ تجاویز پر غور کیا۔ وہ امریکا چلے گئے اور اعلی امریکی حکام کو اپنے دورے کی تمام تر صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے اس جنگ سے امریکی فوج کی باعزت واپسی کے لیے میکنزم تیار کرنے کے لیے تجاویز اور مفید مشورے دیے۔ البتہ امریکی حکام ابھی تک الجھن کا شکار ہیں۔ اگرچہ خلیل زاد کے دورے سے متعلق میڈیا نے کچھ تفصیلات فراہم کی ہیں، لیکن امریکی حکومت نے ابھی تک باضابطہ معلومات سامنے نہیں لائیں۔

تجزیہ کاروں کے مطابق زلمے خلیل زاد امریکی حکام سے زیادہ افغان معاملات جانتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ افغان اور امریکی حکام کے درمیان ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھانے کے لیے تعمیری کردار ادا کر سکتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ امریکا بھی امن اور مفاہمت چاہتا ہو۔ صرف میڈیا کی حد تک امن کے لیے پروپیگنڈا نہ کرے۔ وہ عملی اقدامات اٹھانے کی کوشش کرے۔

اگرچہ افغان عوام کا امریکا پر اعتماد نہیں کہ وہ واقعی امن چاہتا ہے۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کلی طور امن مخالف ہے۔ ایک امید اور توقع ہے کہ خلیل زاد کی کوششوں سے مثبت نتائج سامنے آئیں گے۔ امن عمل کے لیے پیش رفت کی توقع ہے۔ امارت اسلامیہ نے ہمیشہ مذاکرات کے ذریعے یہ معاملہ حل کرنے پر زور دیا ہے۔

17 برس قبل بھی بش کو ملا محمد عمر مجاہد نے جنگ کے بجائے مذاکرات کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے واضح کیا تھا کہ امارت اسلامیہ تمام معاملات پر امریکا کے ساتھ سنجیدہ مذاکرات کرنے کے لیے تیار ہے۔ تب امریکا طاقت کے نشے میں ایک کمزور ملک پر حملہ کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس نے مذاکرات سے صاف انکار کر دیا اور فوجی قوت کے ذریعے یہ مسئلہ حل کرنے کی ضد کی۔ وہ 17 برس تک افغانستان میں لڑنے کے بعد جنگ سے مایوس ہے اور اب مذاکرات کا سگنل دے رہا ہے۔ امارت اسلامیہ کا مؤقف درست ثابت ہوا کہ افغان تنازع کا فوجی حل ممکن نہیں ہے۔ آج نہیں تو کل یہ معاملہ مذاکرات کے ذریعے ہی حل کرنا ہو گا۔

کچھ ماہرین حالیہ سیاسی کوششوں کو مثبت اقدام قرار دیتے اور توقع کرتے ہیں کہ فریقین کے درمیان مذاکرات شروع ہوں گے۔ امن کے لیے مفاہمت اور ڈائیلاگ سے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ مبصرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ زلمے خلیل زاد تمام متعلقہ حکام سے ملاقاتوں کے بعد امریکا کو نئی پالیسی وضع کرنے کے لیے مفید اور قابل عمل مشورے دے سکتے ہیں۔ امریکا بھی اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ 2001 میں بش کی پالیسی ناکام تھی۔ اب تک اس پالیسی کو برقرار رکھنے میں بھی امریکا نے غلطی کی ہے، جسے تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے رہنماؤں کے ساتھ امریکی خصوصی ایلچی زلمے خلیل زاد کی ملاقات پہلا قدم نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی امریکی وزارت خارجہ کے نائب الیس ایلز نے امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے رہنماؤں کے ساتھ ملاقات کی تھی۔ اگر امریکا نے واقعی یہ مؤقف سمجھا ہے کہ جنگ مسئلے کا حل نہیں، بلکہ مذاکرات کے ذریعے افغان تنازع حل کرنا ہے تو یہ نہ صرف افغانستان کے لیے باعثِ خیر ہے، بلکہ امریکا اور دنیا کے امن کے لیے بھی مثبت اقدام ہے۔ اس پر پیش رفت کی ضرورت ہے۔ بلاتاخیر امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے کوششوں کو تیز کرنا ہو گا۔

بے اعتبار امریکہ

خلیل عزیز

امریکا بحرانی کیفیت سے دوچار ہے۔ مظلوم انسانوں پر ظلم وستم ڈھانے کی وجہ سے امریکا بھی زوال کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر امریکا ہر ملک کے پیچھے لگا ہوا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے۔ ٹرمپ نے منتخب ہوتے ہی فیصلہ کیا کہ جن ممالک کے ساتھ امریکا نے معاہدے کیے ہیں، وہ امریکا کے بہتر مفاد میں نہیں ہیں تو ان معاہدوں پر نظر ثانی کریں گے یا ختم کر دیں گے۔

ٹرمپ کے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ جن معاہدوں سے امریکا کو کئی گنا فائدے نہیں مل رہے تو ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ ان کی انسانی اور بین الاقوامی اہمیت ہی ہو اور ان کے توڑنے سے دنیا کو نقصان ہوتا ہو۔ ٹرمپ نے اپنے فیصلے پر عمل درآمد یقینی بناتے ہوئے پہلی فرصت میں عالمی ماحول کے تحفظ کا معاہدہ توڑ دیا، جو امریکا سمیت دنیا کے 180 ممالک نے فرانس میں کیا تھا۔ ٹرمپ نے تمام بین الاقوامی قوانین کو پاؤں تلے روندتے ہوئے شرمناک طریقے سے یہ معاہدہ توڑ دیا۔

اس کے بعد ایران کے ساتھ جوہری معاہدہ توڑ دیا، جو اس کے ساتھ امریکا اور برطانیہ سمیت یورپی ممالک نے کیا تھا۔ ٹرمپ نے چین اور یورپی یونین کے ساتھ جانب داری کا مظاہرہ کیا کہ امریکا کے ساتھ تجارت میں انصاف کے تقاضے پورے نہیں کیے جا رہے ہیں۔ باہمی تجارت میں توازن برقرار نہیں ہے۔ چین اور یورپ کو زیادہ اور امریکا کو کم منافع مل رہا ہے۔ اس لیے ٹرمپ نے چین اور یورپ کے ساتھ تجارتی محصولات پر بھاری ٹیکس لگا دیا۔ گزشتہ ہفتے کو ٹرمپ نے امریکی ریاست ٹیکساس میں اپنے حامیوں کی تقریب سے خطاب کے دوران کہا کہ بظاہر یورپ بہت اچھا لگتا ہے، لیکن بنیادی طور یورپ امریکا کے ساتھ خیانت اور ناانصافی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے یورپی یونین کا اتحاد امریکا کے خلاف قائم کیا گیا ہے۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ ان کے دور حکومت میں امریکا مستحکم ہوا ہے۔ اس سے پہلے ایران یہ سوچ رہا تھا کہ وہ پورے مشرق وسطی پر کس طرح اپنا کنٹرول قائم کر سکتا ہے۔ مگر اب ایران اپنی بقا کی فکر کر رہا ہے۔ اس کے تمام شہروں میں کشیدگی اور بغاوت شروع ہو چکی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ چین کئی برس سے امریکا کے ساتھ غیر منصفانہ تجارت کر رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس نے درجنوں بلین ڈالر کمائے ہیں۔ انہوں نے دھمکی دی کہ چین یہ بات سمجھ لے کہ امریکا کے کھربوں ڈالر اس سے واپس وصول کیے جائیں گے۔

ٹرمپ نے پہلی بار سعودی عرب، جاپان اور جنوبی کوریا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ یہ ممالک اگرچہ امریکا کے دوست ہیں، تاہم امریکا بھی ان ممالک کا دفاع کر رہا ہے۔ اگر ان ممالک کو امریکی حمایت حاصل نہ ہوتی یہ ممالک مستحکم نہیں رہ سکتے تھے۔ انہیں ہمسایہ ممالک کی جانب سے ضرور حملوں کے

خطرات لاحق رہتے۔ لہذا ان دوست ممالک کی جانب سے امریکا کو جتنے ڈالر مل رہے ہیں، وہ بہت کم اور نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ٹرمپ نے کہا کہ سعودی عرب کے پاس دسیوں ٹریلین ڈالر ہیں۔ ہم نے ہر محاذ پر اس کا دفاع کیا ہے۔ اگر ہم اس کا دفاع نہ کریں اور اس کی حمایت سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیں تو سعودی معیشت دو ہفتے بھی مستحکم نہیں رہ سکتی۔ وہ اپنے ہتھیاروں اور طیاروں کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود سعودیہ ہمارے ساتھ ظالمانہ سلوک کر رہا ہے۔ وہ ہمیں بہت کم ڈالر دے رہا ہے۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ امریکا نے جاپان اور جنوبی کوریا کی سرحدوں پر قیمتی میزائل نصب کیے ہیں، تاکہ شمالی کوریا ان پر حملہ نہ کرے۔ مگر جاپان اور جنوبی کوریا اتنے بے انصاف ہیں کہ ہمیں ان میزائلوں کی قیمت بھی ادا نہیں کر رہے۔

مبصرین کے مطابق ٹرمپ کا یورپ، چین، سعودی عرب، جاپان اور جنوبی کوریا کے ساتھ تنازعات اور ہر ایک ساتھ تکبرانہ انداز میں توہین آمیز سلوک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ٹرمپ اور امریکی کتنے خود غرض، مفاد پرست اور تنگ نظر ہیں۔ سعودی عرب نے رواں سال کے امریکا کے ساتھ 117 ارب ڈالر کے مختلف معاہدوں پر دستخط کیے۔ وہ 80 فیصد امریکا کے مفاد پر مبنی ہیں۔ اس کے علاوہ کئی سالوں سے سعودی عرب امریکا کو اس قیمت پر تیل سپلائی کر رہا ہے، جو امریکا چاہتا ہے۔ جن ممالک میں امریکا نے جنگ کا بازار گرم کر رکھا ہے، ان میں صرف اخراجات سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک برداشت کر رہے ہیں۔ حالیہ مہینوں میں سعودی ولی عہد شہزادہ سلمان کے بیٹے محمد سلیمان نے حرمین شریفین میں روشن خیالی اور جمہوری آزادی کے نام پر جو اقدامات کیے اور حرمین شریفین کا تقدس پامال کیا، تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ یہ سب کچھ امریکا اور ٹرمپ کو خوش کرنے کے لیے کیا گیا۔

ولی عہد کے تمام غیر سنجیدہ اور چاپلوسانہ اقدامات کے باوجود نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ ہفتے امریکی ریاست میں ٹرمپ نے اعلان کیا کہ سعودی عرب کے حکمرانوں کو چاہیے وہ امریکا کو اتنے ڈالر فراہم کریں، جتنے امریکی حکمران مطالبہ کرنا چاہتے ہیں! سعودی عرب ایک مثال ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ امریکا کی دوستی اور دشمنی کا معیار اس کے توسیع پسندانہ عزائم اور استعماری مفادات ہیں۔ جب اس کے مفادات کو دھچکہ لگتا ہے، پھر وہ دوست کا خیال رکھتا ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کا۔ افغانستان میں امریکی غلاموں اور ایجنٹوں کو یہ بات سمجھنا چاہیے کہ امریکا اقتصادی لحاظ سے بدترین حالات سے دوچار ہے۔ اسی وجہ سے وہ کسی دوست دشمن کو معاف نہیں کرتا۔ وہ دن قریب ہیں کہ امریکی حکام کابل انتظامیہ سے کہیں گے کہ اب تم پر ایک ڈالر بھی حرام ہے۔ ہمارے جو فوجی یہاں تعینات ہیں، ان کے اخراجات بھی آپ کو پورے کرنا ہوں گے۔ بصورت دیگر ہم واپسی کا اعلان کریں گے۔ پھر آپ جانیں اور طالبان۔

اسی وجہ سے کابل انتظامیہ کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی ہے۔ کابل انتظامیہ کے اعلی حکام بظاہر امن مذاکرات کی حمایت کرتے ہیں، لیکن درپردہ وہ اس کے مخالف ہیں۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں اب ان کے اقتدار کا سورج غروب ہونے والا ہے۔ اگر امریکا نے ان کی حمایت سے دستبرداری کا اعلان کیا تو وہ دھڑام سے گر جائیں گے۔ اب ان پر بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امریکا کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

فطرت سلیمہ سے بغاوت کے نتائج

حسن زوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

’کل مولود یولد علی الفطرة ، فابواہ یھودانه او ینصرانه او یمجسانه.

ہر بچہ سلیم فطرت اور طبعیت کے ساتھ دنیا میں آتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

فطرت سلیمہ کے ساتھ تو ہر بچہ دنیا میں آنکھیں کھولتا ہے پھر مسلمان ماں باپ اپنے بچوں پر توجہ دیتے ہیں اور انہیں دین سکھاتے ہیں تو بچے فطرت سلیمہ پر رہتے ہیں۔ جب ان کے والدین یہودی، نصرانی، مجوسی یا کسی اور باطل مذہب کے ماننے والے ہوتے ہیں تو اپنے بچے کو بھی اپنے مذہب کی جانب پھیر لیتے ہیں۔ وہی بچہ جس نے فطرت سلیمہ کے ساتھ آنکھیں کھولی ہوں، یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت کی وجہ فطرت سلیمہ سے دور ہو جاتا ہے۔ یہودیت اور نصرانیت کے لیے فطرت سے باغی ہونا لازم ہے۔ مغرب میں یہودیوں اور مسیحیوں کی زندگی میں فطرت کے اصولوں سے بغاوت ایسی واضح ہے، جس کے برے نتائج سے مغرب خود پریشان ہے۔ برطانیہ میں بچوں میں پیدا ہونے والے نئے رجحانات فطرت سے بغاوت کا نیا نتیجہ ہے۔ جس نے پورے ملک کو پریشان کر رکھا ہے۔ مگر انہیں سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کریں؟

برطانوی میڈیا میں شائع ہونے والی رپورٹس کے مطابق برطانیہ میں کئی بچے اپنی فطری حالت سے خوش نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی جنس تبدیل کر لیں۔ 4 سے 15 سال کے بہت سے لڑکے ہیں، جو اپنے مرد ہونے پر خوش نہیں ہیں۔ وہ سرجری کے ذریعے خود کو لڑکی یا مخنث بنانا چاہتے ہیں۔ بہت سی لڑکیاں ایسی ہیں، جو آپریشن کے ذریعے خود کو لڑکا یا تیسری جنس بنانا چاہتی ہیں۔ برطانوی اور عالمی تجزیہ کار کہتے ہیں کہ ایسی حرکتیں بچوں میں نفسیاتی امراض میں اضافے اور اعصابی خلل کا پتا دیتی ہیں۔ نفسیاتی بیماری اور اعصابی خلل کے باعث جنسی روابط میں بڑوں کی بے احتیاطی یعنی معاشرے میں فحاشی کے پھیلاؤ کو قرار دیا گیا ہے۔ ماں باپ کی جانب سے منشیات کا زیادہ استعمال اور بچوں کا اپنے ماں باپ سے فاصلہ بھی اس کا باعث ہے۔ مشہور برطانوی جریدے نے انکشاف کیا ہے کہ برطانیہ کے ہزاروں بچے چاہتے ہیں کہ دوائیوں اور سرجری کے ذریعے ان کی جنس بدل جائے۔ لڑکے، لڑکیاں اور لڑکیاں، لڑکے بننا چاہتی ہیں۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ہزاروں بچوں میں سے 50 فیصد بچے ایسے ہیں، جو خود کو مرد یا عورت نہیں بلکہ تیسری جنس بنانا چاہتے ہیں۔ برطانوی وزارت صحت نے اعتراف کیا ہے کہ یہ ایک تباہ کن صورت حال ہے، جس سے نکلنے کے لیے حکومتی سطح پر بڑے پلان کی ضرورت ہے۔

وزارت صحت کے اعلیٰ حکام کا کہنا ہے کہ ہر ہفتے صرف لندن کے ہسپتالوں سے 40 بچے جنس کی تبدیلی کے لیے رجوع کرتے ہیں۔ انہیں معاینے کے لیے متعلقہ شعبے میں بھیجا جاتا ہے۔ ڈیلی ایکسپریس نامی مشہور برطانوی اخبار لکھتا ہے کہ وزارت صحت کے اعلیٰ افسر نے اس حالت کو بہت خطرناک قرار دیا ہے اور اس کا ذمہ دار سوشل میڈیا کو قرار دیا ہے۔ سماجی امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ برطانوی معاشرے میں بے راہ روی، غیر شادی شدہ کم عمر لڑکیوں کا ماں بننا، والدین میں شراب اور دیگر منشیات کا کثرت سے استعمال اور بچوں کے سامنے مرد و عورتوں کا جنسی تعلق مضبوط بنانا جیسے مسائل برطانیہ میں ایسی نسل پیدا کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔ ان کے ڈی این اے میں مشکلات ہوتی ہیں۔ دس یا گیارہ سال کی عمر کے بچے جنسی باتوں سے نہ صرف واقف ہوتے ہیں، بلکہ آپس میں جنسی تعلق قائم کرنے کے اقدامات بھی کرتے ہیں۔ اس طرح ان میں آہستہ آہستہ اپنی جنس تبدیل کرنے کی جانب رجحان بڑھتا جاتا ہے، جو انتہائی خطرناک حالت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انتہائی تشویش کی بات یہ بھی ہے کہ ان میں 50 فیصد بچے ایسے ہیں، جو خود کو مرد یا عورت نہیں، بلکہ تیسری جنس بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ دونوں میں شمار کیے جا سکیں اور دونوں قسموں میں ان کی نشست و برخاست ہو سکے۔

امریکی کالج فارپیڈیاٹریشن کے سربراہ ڈاکٹر مشیل کا کہنا ہے کہ اپنی مردانگی یا نسوانیت پر بے اطمینانی ایک نفسیاتی بیماری ہے۔ ایسی بیماریوں کے شکار بچوں کو سمجھانے کی بہت کوششیں ہونی چاہیے۔ تاکہ وہ اپنی فطری حالت پر رہنے کے لیے تیار ہوسکیں۔ دوائی اور آپریشن کے ذریعے بچوں کی جنس کی تبدیلی بچوں کے استیصال اور بیخ کنی کے مترادف ہے، جس کی فوری روک تھام ہونی چاہیے۔ لندن، مانچسٹر اور اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ جنس کی تبدیلی کے لیے ہزاروں بچوں کی درخواستیں کلینکوں اور ہسپتالوں میں زیر غور ہیں۔ میڈیا کو حکومت کی جانب سے فراہم کردہ اور نشر کیے گئے اعداد و شمار حقیقی اعداد و شمار سے بہت کم ہیں۔

ڈیلی ایکسپریس نامی جریدے نے لکھا ہے کہ برطانوی وزارت صحت کی جانب سے حال ہی میں ہونے والی تحقیق میں معلوم ہوا ہے کہ جن بچوں نے جنس کی تبدیلی کے لیے درخواستیں دی ہیں، جب ان کا طبّی گروپوں نے معاینہ کیا اور اعصابی معاینہ کیا تو ان میں اعصابی اور نفسیاتی بیماری کی تشخیص کی گئی۔ جس کی بڑی وجہ شراب، سگریٹ اور دیگر منشیات کا استعمال اور ماں باپ کی عدم توجہی ہے۔ ڈاکٹروں نے تسلیم کیا ہے کہ ایسے بچوں کو نصیحت فائدہ دیتی ہے نہ ہی اس طرح یہ اپنے ارادوں سے باز آئیں گے۔ ہم نے ان کو اور ان کے والدین کو بتایا ہے کہ جو لڑکی اپنی جنس بدل کر لڑکا بھی بن جائے تو وہ باپ نہیں بن سکتی۔ اگر کوئی لڑکا اپنی جنس بدل کر لڑکی بنتا ہے تو وہ ماں نہیں بن سکتا اور نہ بچے پیدا کر سکتا ہے۔ جنس کی تبدیلی سے صرف فطری استعداد ختم ہو جاتی ہے اور بس۔ مگر ان تمام تنبیہات اور ڈرانے کے باوجود بچوں میں کوئی اپنی بات سے دست بردار نہیں ہوا۔ اپنے فیصلے پر سب مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔

ڈیلی ایکسپریس نے لکھا ہے کہ برطانوی بچوں میں گزشتہ 7 سالوں میں جنس کی تبدیلی کے مطالبے میں 4 ہزار فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ برطانوی حکومت اور معاشرے کے بہت زیادہ تشویش کی بات ہے۔ حکومت حیران ہے کہ برطانیہ کے ہزاروں بچے اپنے جنس سے بے زار کیوں ہیں؟ ڈیلی ٹیلی گراف نامی مشہور جریدے نے لکھا ہے کہ 2009 میں صرف 140 لڑکیوں نے جنس کی تبدیلی کے لیے درخواست دی تھی۔ وزارت صحت نے معاینے کے بعد انہیں جنس کی تبدیلی کی اجازت دے دی تھی۔ 2017 میں یہ تعداد 1806 تک پہنچ گئی۔ رواں سال 2018 میں یہ تعداد 4 ہزار سے بھی بڑھ گئی۔ برطانوی بچوں میں جنس کی تبدیلی کا رجحان انتہائی حیران کن طور پر بڑھ رہا ہے۔ اگر اس کی روک تھام جلد نہ کی گئی تو برطانوی معاشرے کو بڑی بربادی کا سامنا ہوگا۔

انتہائی شکر کا مقام ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ باوجود یہ کہ ہم مادی دنیا میں بہت پیچھے سمجھے جاتے ہیں۔ واقعتاً ہم پیچھے ہیں۔ بہت سی دیگر کمزوریاں بھی ہوں گی۔ مگر اسلام کی برکت سے ہماری معاشرتی زندگی بہت حد تک فطرت کے اصولوں اور ہدایات کے مطابق ہے۔ جس کی برکت سے ہم اپنی زندگی سے خوش ہیں۔ اپنی حالت پر راضی ہیں اور اپنی جنس پر مطمئن ہیں۔ اکثر مسلمانوں میں بڑوں کا احترام، بچوں پر شفقت، اپنے بچوں کی اچھی تربیت، غریبوں سے تعاون، پڑوسیوں کے حقوق، مظلوم کی امداد، اپنے ہاتھوں سے اپنے مریضوں کی خدمت، اپنے بوڑھوں کی قدر، صلہ رحمی، بیواؤں یتیموں سے ہمدردی، بہن بیٹی اور ماں کا مقام، تمام خواتین کا احترام، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز کی تمیز، ستر پردہ، حیا اور اس جیسی دیگر صفات ہیں، جن سے غیر مسلم محروم ہیں۔ انہوں نے اپنا سب کچھ اپنے منحوس جمہوریت کے تابع کر دیا ہے۔ انہوں نے آسمانی ہدایات سے دشمنی شروع کر دی ہے۔ اس وجہ سے وہ شدید افراط و تفریط کے شکار ہیں۔ ایک 12 سالہ بالغ لڑکی کے لیے مغرب کا قانون یہ ہے کہ یہ بچی بلوغت کے چھ سال بعد اگر ایک دن بھی اس کی عمر 18 سال سے کم ہے تو اپنے لیے مناسب شوہر کے انتخاب کا حق نہیں رکھتی۔ یہ اختیار اسے تب ملے گا، جب اس کی عمر 18 سال ہو جائے گی۔ دوسری جانب 10 اور 11 سال کے بچوں کو اتنی آزادی ہے کہ اس کم عمری میں بھی انہیں اتنے بڑے فیصلوں کا اختیار دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کی مردانگی یا نسوانیت کی صفت ختم ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنی جنس تبدیل کر لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اتنا بڑا المیہ جنم لیتا ہے، جس کے حل کا راستہ حکومت یا عوام کسی کو بھی سمجھ نہیں آتا۔ وہ اس حوالے سے اپنی عاجزی کا اعتراف کرتے ہیں۔

یہ فطری اور آسمانی ہدایات سے بغاوت کا نتیجہ ہے کہ مغربی معاشرہ شدید تباہی کا شکار ہے۔ مغرب اسلامی ممالک میں اپنا کلچر پھیلانے کی بہت کوشش کرتا ہے۔ اس کے لیے بہت سے مصارف کرتا ہے۔ اسلامی ممالک پر مسلط کٹھ پتلی حکمرانوں اور میڈیا کو بڑی فنڈنگ کی جاتی ہے۔ ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا بھی اسی بربادی کا شکار ہو جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں عموماً اور ہمارے ملک میں خصوصاً مغربی تہذیب کی اشاعت کے لیے بہت تیزی سے کوششیں جاری ہیں۔ اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اپنے عمل کے ارادے سے اسلامی ہدایات سے خود کو واقف کرے۔ معاشرے میں اس کے احیاء اور اشاعت کی کوشش کرے۔ اسلامی دعوت کو اپنا فریضہ سمجھیں۔ جارحیت پسندوں کے ناپاک عزائم سے لوگوں کو خبردار کریں۔ تاکہ خدائی ذمہ داری ادا ہو اور ہمارے معاشرے میں فساد کے ریشے مضبوط نہ ہوں۔

قاری حبیب

جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

امارت اسلامیہ اور امریکا کے درمیان شروع ہونے والا تنازع دوسرے عشرے میں داخل ہو چکا ہے۔ جس وقت افغانستان خانہ جنگی اور تنظیمی جنگوں کا مرکز تھا، تب نہ صرف عوام کی جان، مال اور ناموس کو خطرات لاحق تھے۔ حتیٰ کہ ایک عالمی قوت کو شکست دینے والا فاتح ملک باہمی لسانی اور علاقائی تعصبات کی وجہ سے تقسیم کے خطرے سے دوچار ہو گیا تھا۔ جب اس سنگین صورت حال میں افغانستان میں امارت کا قیام عمل میں آیا تو کئی عشروں سے جنگ کی بھٹی میں جلنے والا افغانستان امن کا گہوارہ بن گیا۔ امارت مسلح جنگجوؤں کے چیک پوائنٹس، مختلف جنگجو تنظیموں اور ان کے قاتل مسلح گروہوں کا قلع قمع کیا۔ دنیا کو چاہیے تھا کہ ایک جنگ زدہ ملک میں امن و امان قائم کرنے والی حکومت کو ایک رسمی حکومت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔ امریکا اور اس کے حامی ممالک نے آغاز سے ہی امارت کے ساتھ دشمنی کا رویہ اپنایا۔ سب سے پہلے پروپیگنڈے کی جنگ شروع کی اور امارت پر مختلف الزامات لگائے۔ اس کے بعد اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل کے ذریعے امارت کے رہنماؤں پر سیاسی اور اقتصادی پابندیاں لگانا شروع کیں۔ افغانستان پر ظالمانہ اقتصادی پابندیاں لگائی گئیں۔ مزید یہ کہ امارت کے خاتمے کے لیے فوجی حملے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔

امارت اسلامیہ نے امریکا کے ساتھ سترہ سالہ تنازعے کے موقع پر ہمیشہ یہ مؤقف اپنایا کہ امریکا بے بنیاد الزامات لگانے سے گریز کرے۔ تمام شکوک و شبہات اور مسائل کے حل کے لیے امارت کے ساتھ افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کرے۔ امریکا کے غرور کا یہ عالم تھا کہ وہ امارت کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھا۔ صرف طاقت کے زبان استعمال کی جاتی رہی۔ امارت کے دوران اقتدار پاکستان میں افغان سفیر اور امریکا کے ساتھ مذاکرات کرنے والے وفد کے رکن مرحوم مولوی سید محمد حقانی نے کہا تھا کہ امریکی وفد کے ارکان مذاکرات کے دوران بھی دھمکی آمیز لہجہ اختیار کرتے اور ہماری بات نہیں سنتے تھے۔ وہ صرف اپنے مطالبات منوانا چاہتے تھے۔ نائن الیون کے بعد امارت کے رہنماؤں نے کئی بار امریکی عہدے داروں سے مطالبہ کیا کہ جنگ کے بجائے مذاکرات کی راہ اختیار کریں۔ طاقت کے نشے میں چور امریکا ٹس سے مس نہیں ہوا۔ افغانستان پر حملے سے چند روز قبل بھی امارت اسلامیہ، بلکہ کئی ممالک نے صدر بش کو انتہائی اقدام اٹھانے سے روکنا چاہا۔ جیکی جیکسن نامی ایک امریکی سیاہ فام شہری نے انفرادی طور پر طالبان اور امریکا کے درمیان ثالث بننے اور اس مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کی۔ امارت اسلامیہ نے اس شخص کی ثالثی قبول کی، لیکن وہائٹ ہاؤس نے اس شخص کے مطالبے نظرانداز کرتے ہوئے بالکل اُسے کوئی جواب نہ دیا۔

امریکی جارحیت کے آغاز میں امارت ہمیشہ اپنے اعلامیوں میں یہ مؤقف اپناتی رہی کہ جنگ ہماری اولین ترجیح نہیں، بلکہ ضرورت اور مجبوری بن گئی ہے۔ ہمارے ملک پر غیر ملکی قوتوں نے جارحیت کر کے ہم پر جنگ مسلط کی ہے۔ ہم اپنی دینی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کے مکلف ہیں کہ افغانستان میں آخری غاصب فوجی کی موجودگی تک مسلح جدوجہد جاری رکھیں۔ سترہ سالہ دور میں ہر وقت امریکا طاقت کی زبان میں بات کرتا رہا۔ اُس کے پاس افغان مسئلے کا حل صرف فوجی طاقت کا استعمال تھا۔ وہ اس مسئلے کو بات چیت اور مذاکرات کے ذریعے حل کرنے میں کوئی دل چسپی نہیں لیتا تھا۔ حالانکہ اس دوران امریکی ایماء پر کابل انتظامیہ نے امن شوریٰ کے نام سے ایک کمیٹی تشکیل دی۔ اس نام نہاد کمیٹی کا اصل مقصد طالبان کے ساتھ مذاکرات نہیں، بلکہ طالبان کو حکومت کے سامنے سرنڈر ہونے پر مجبور کرنا تھا۔ دوسری جانب وہ مجاہدین کی صفوں میں اختلاف کے بیج بونا چاہتا تھا۔

دو عشروں تک افغانستان کے پہاڑوں سے سر ٹکرانے والے امریکا کو اب سمجھ آیا ہے کہ افغان مسئلہ فوجی طاقت کے استعمال سے کبھی حل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ امریکی وزارت خارجہ نے حال ہی میں افغانستان کے لیے ایک خصوصی وفد تشکیل دیا۔ زلمے خلیل زاد کو اس وفد کا سربراہ بنایا گیا۔ امریکا کے اس اعلیٰ سطحی وفد میں وہائٹ ہاؤس کے انٹیلی جنس افسران اور حکومتی عہدے دار شامل ہیں۔ انہوں نے اکتوبر کے وسط میں افغانستان کا دورہ کیا۔ زلمے خلیل زاد کی سربراہی میں اس وفد نے پاکستان اور سعودی عرب کے دوروں کے بعد قطر کا رخ کیا، جہاں انہوں نے امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر کے مسئولین سے ملاقات کی۔

اگرچہ اس ملاقات کی پوری تفصیلات ابھی تک میڈیا میں نہیں آئیں، البتہ امریکا کے اس اعلیٰ سطحی وفد کا امارت اسلامیہ کے سیاسی دفتر میں امارت اسلامی کے رہنماؤں سے ملاقات اور مذاکرات سب سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ طویل جنگی تجربات کے بعد امریکا نے طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگ کر گویا اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ جب کوئی شخص میسر مواقع ضائع کرنے کے بعد کفِ افسوس ملتا ہے تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ اب پچھتائے کیا ہوت، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت! چوں کہ اب امریکا کا دماغ ٹھکانے لگا ہے اور وہ مذاکرات کی میز پر آیا ہے۔ یہ بھی افغانستان میں قیام امن کے لیے ایک مثبت پیش رفت ہے۔ کاش امریکا سترہ سال قبل جوش کی بجائے ہوش سے کام لیتا اور امارت اسلامیہ کی مذاکرات کی پیش کش نہ ٹھکراتا۔ جو وفد آج تشکیل دیا گیا ہے، سترہ سال قبل تشکیل دیا ہوتا تو افغانستان میں اتنی تباہی دیکھنے کو نہ ملتی۔ امریکا کو نہتے طالبان کے سامنے مذاکرات کی بھیک مانگنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

یوناما کی حالیہ رپورٹ

عبدالرحیم ثاقب

یوناما کی حالیہ رپورٹ کے مطابق گزشتہ 9 ماہ کے دوران آٹھ ہزار افراد مارے گئے ہیں۔ دوسری جانب کابل انتظامیہ اس کو اپنی کامیابیوں کے طور پر پیش کرتی ہے۔ مذکورہ اعداد و شمار ٹرمپ کی حکمت عملی کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے افغانستان میں قابض فوج کے ناجائز قبضے کو دوام بخشنے اور ریاستی خود مختاری کو سلب کرنے لیے سلامتی کے نام پر لاگو کیا ہے۔ کابل انتظامیہ نے اس کی تصدیق اور خیر مقدم کیا ہے۔ ٹرمپ اور کابل انتظامیہ اب جعلی انتخابات اور امن عمل کے نام پر ڈرامے رچانے میں مصروف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں امریکا، بین الاقوامی برادری اور کابل انتظامیہ کو ہوش کے ناخن لینا چاہییں۔ وہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ امریکا نے افغانستان پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ افغان عوام پر کٹھ پتلی حکمرانوں کو مسلط کیا ہے۔ جس کے باعث ملک عدم استحکام اور عدم تحفظ کا شکار ہے۔ کٹھ پتلی حکومت کے نتیجے میں تمام اختیارات امریکا کے پاس ہیں۔ جو یہاں اپنی مرضی کے منصوبے بنا رہا ہے۔ افغان عوام کا قتل عام جاری ہے۔

امریکا نے گزشتہ 17 برسوں میں سکیورٹی کے نام پر مختلف حربوں اور تجربوں کا استعمال کیا۔ اس نے سکیورٹی، ملک کی تعمیر نو، گڈ گورننس کے قیام اور مستحکم نظام کے نام پر جو منصوبے بنائے اور بظاہر خوشنما نعروں کے ساتھ عوام کو ورغلانے کی ہر ممکن کوشش کی، وہ تمام حربے ناکام ثابت ہوئے۔ ان کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوا اور اُسے عوام میں پذیرائی نہیں ملی۔ اس کی سازشوں سے امارت اسلامیہ نے پردہ اٹھایا۔ یہاں اربوں ڈالر خرچ کرنے کے باوجود کرپشن، لوٹ مار، نااہل حکومت کا قیام، غربت، بے روزگاری اور بدعنوانی کے بین الاقوامی ریکارڈ قائم ہوئے۔

دوسرے سالوں کے مقابلے میں 2018 میں امریکی فوج کے جرائم میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ جب گزشتہ سالوں کے دوران امریکی فوج کی بمباری اور چھاپوں میں عام شہریوں کو نشانہ بنایا جاتا تھا تو کابل انتظامیہ کی جانب سے بھی اس کی مذمت کی جاتی تھی۔ امریکی فوج بھی اس پر ندامت کا اظہار کرتی تھی۔ جان کیری کے ہاتھوں بننے والی حکومت کے قیام کے بعد اور سکیورٹی معاہدے کے نام پر ملک کو نیلام کرنے نتیجے میں قابض امریکی فوج کو کھلی چھوٹ دی گئی ہے۔ جس کے باعث امریکی فوج نے ٹرمپ کی نئی پالیسی کے اعلان کے بعد جنگی جرائم کے ارتکاب کا نیا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس پر نہ صرف کابل انتظامیہ خاموش ہے، بلکہ نہ ہی امریکی فوج کو اس پر پچھتاوا ہے۔ کیوں کہ کابل انتظامیہ نے اسے قانونی جواز فراہم کیا ہے۔ سکیورٹی معاہدے کے تحت اب کابل انتظامیہ کو شہری ہلاکتوں کی مذمت کی اجازت بھی نہیں ہے۔

یہ وجہ ہے کہ اب امریکی فوج افغان شہریوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ اس کی روک تھام کے لیے کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔ امریکی فوج صرف نہتے شہریوں کو نہیں، بلکہ افغان سکیورٹی اہل کاروں کو بھی نشانہ بناتی ہے۔ کئی بار افغان اہل کاروں کو نشانہ بنایا گیا، لیکن کسی نے اس کی مذمت نہیں کی۔ جان کیری کی فرمائش پر قائم ہونے والی حکومت کے دور میں صورت حال اتنی ابتر ہوئی کہ امریکی فوج کے جرائم کی ذمہ داری بھی افغان حکام قبول کرتے ہیں۔ جب امریکی فوج افغان اہل کاروں پر بمباری کرے تو امریکی فوج کے خلاف عوامی نفرت کو کنٹرول کرنے کے لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ بمباری ہم نے غلطی سے کی ہے۔ اس میں امریکی فوج ملوث نہیں ہے۔ اس طریقے سے وہ امریکی فوج کو جنگی جرائم سے بری الذمہ قرار دینے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

کابل انتظامیہ کے اس اقدام کی بدولت ہر روز قابض امریکی فوج کے جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ امریکی حملہ آوروں کے جرائم بڑھ رہے ہیں۔ ہر روز مختلف علاقوں میں امریکی حملوں اور رات کے چھاپوں کے دوران درجنوں افراد شہید اور زخمی ہوتے ہیں۔

ظالم جرنیلوں کا آخری وقت

حبیب مختار مجاہد

طالبان نے ہلمند کے دارالحکومت لشکر گاہ میں جنرل عبدالجبار قہرمان کو نشانہ بنایا اور اگلے روز قندھار میں ایک رابطہ کار مجاہد نے فائرنگ کر کے جنرل عبدالراق کو ہلاک کر دیا۔ اس میں دو دیگر اعلی حکام ہلاک اور امریکی کمانڈر سمیت متعدد اہل کار زخمی ہوئے۔ عبدالرازق اور قہرمان کی ہلاکت بارے فیس بک پر بہت سے لوگوں نے غم اور دکھ کا اظہار کیا اور مگرمچھ کے آنسو بہائے۔ ان میں سے کچھ لوگ افغان قوم پرستی کے زاویے سے ان واقعات کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اسلام اور کفر کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ وہ صرف مغربی تہذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالرازق اور قہرمان مغربی طرز معاشرت کے محافظین اور وطن یا کفن کے ایجنڈے کے علمبردار تھے۔ ان کے نزدیک یہ کوئی جرم نہیں ہے کہ اس ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انہوں نے اسلامی اقدار کو پامال کیا یا مظلوم مسلمانوں پر بہیمانہ تشدد کیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے عبدالرازق اور قہرمان پشتون جرنیل اور قوم کے ہیرو تھے۔ ان کے نزدیک ہر پشتون رہنما کی ہلاکت ان کے لیے ایک المیہ ہے۔ وہ پشتون قوم کی قیادت کر رہے تھے۔ دو دن کے دوران دو اہم جرنیلوں کی ہلاکت قوم کے لیے بڑا سانحہ ہے۔

البتہ میں بڑے حادثات کو ہمیشہ بڑی تصویر میں دیکھتا ہوں۔ وسیع سیاق و سباق کے ترازو میں تولنا چاہتا ہوں۔ موجودہ حادثات کی بڑی تصویر یہ ہے کہ ہم مسلمان اور عالم اسلام کے جسد کے اعضا ہیں۔ امریکا، برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ وہ دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ سابقہ استعماری قوتوں کی طرح وہ بھی مسلم ممالک اور امت مسلمہ کو جارحیت کے شکنجوں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ وہ ہماری دھرتی پر قابض ہو کر ہمیں قتل کر رہے ہیں۔ ہمارے ذخائر لوٹ رہے ہیں۔ نئی نسل کو گمراہ، اسلامی اور افغان شناخت کو مسخ کرنا اور نوجوانوں کو مغربی تہذیب کا دلدادہ، سیکولر خیالات، اقدار اور افکار کی ترویج چاہتے ہیں۔ مغربی قوتوں نے ہمارے ملک پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ وہ اپنی ہلاکتوں کو کم کرنے کے لیے یہاں چند جرائم پیشہ عناصر کو اجرتی قاتلوں کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ چند لٹیروں اور بے ضمیر لوگوں کو ڈالر اور جنگی وسائل دے کر مجاہدین اور عوام کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے۔ عبدالرازق اور قہرمان جیسے بے ضمیر لوگوں اور حملہ آوروں کے ایجنٹوں نے اقتدار کی ہوس اور مادیات کے حصول کے لیے ملک اور قوم کی خودمختاری اور عزت کو داؤ پر لگا دیا ہے۔ انہوں نے جارحیت کو دوام بخشنے میں ہراَول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ میں بدنامی سے بچنے کے لیے وطن دوستی کا ڈھونگ رچایا۔ چوں کہ میڈیا بھی ان کی گرفت میں ہے اور مغربی میڈیا نے بھی ان کے لیے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا کیا اور میڈیا کے پروپیگنڈے کے زور پر حب الوطنی کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ بہت سے سادہ لوح لوگوں کو ورغلایا۔ جب کہ

سوشل میڈیا پر بھی سیکولر طبقے نے انہیں محب وطن اور وطن دوست جرنیلوں کے طور پر پیش کرنے کے لیے ان کی ہلاکت کو بڑا سانحہ قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ محب وطن اور وطن دوست نہیں، بلکہ وطن فروش اور غدار تھے۔ انہوں نے 17 برس کے دوران اسلام، ملک اور قوم کے ساتھ غداری کی ہے۔ تاریخ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گی۔ ان کے نام بھی شاہ شجاع اور ببرک کارمل جیسے غداروں کی لسٹ میں درج ہوں گے۔ انہوں نے اپنے گھر میں حملہ آوروں کو محفوظ ٹھکانے دیے اور قوم کے قتل عام میں صف اول کا کردار ادا کیا۔

امریکا جیسے ظالم اور استعمار نے گزشتہ 100 سالوں میں ایک کروڑ سے زائد لوگوں کا قتل عام کیا ہے۔ وہ اس کو دوست قرار دیتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس نے بھی امریکا کی غلامی اور دوستی قبول کی ہے، ان کو امریکا نے معاف نہیں کیا ہے۔ عرب ممالک کے بہت سے حکمرانوں کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کے بدترین دشمن اسرائیل کی پشت پر امریکا کھڑا ہے۔ اس کی دوستی پر ہمارے ملک کے غدار فخر کرتے ہیں۔ سترہ برس سے قابض امریکا کے دفاع کے لیے جانی اور مالی قربانیاں دے رہے ہیں۔ اسلام اور وطن کے ساتھ تمام تر خیانت اور غداری کو دیکھتے ہوئے اگر جبار قہرمان اور عبدالرازق پھر بھی محب وطن اور وطن پرست ہیں تو پھر ہماری تاریخ میں سب سے بڑا غدار شاہ شجاع اور ببرک کارمل بھی سب سے بڑے محب وطن اور وطن پرست تھے۔ اگر حب الوطنی کا یہ زاویہ ہے تو پھر ہماری پانچ ہزار پرانی تاریخ میں انگریز اور سوویت یونین کے ایجنٹ بھی محب وطن تھے۔ پھر ایوب خان اور وزیر اکبر خان جیسے ہیرو اور غازی اغیار کے ایجنٹ ثابت ہوئے۔ جیسا کہ آج طالبان ملک کے دشمن، غدار اور اغیار کے ایجنٹ سمجھے جاتے ہیں۔ اغیار کی طاقت کے بل بوتے آنے والے شاہ شجاع اور کارمل بھی قوم کے ہیرو اور محب وطن ہو گئے۔

میں نہیں سمجھتا کہ یہ کون سی دلیل اور منطق ہے کہ احمد شاہ بابا کے پوتے شاہ شجاع کو انگریز کے ساتھ تعاون کے جرم کی پاداش میں تاریخ میں غدار کہلایا جاتا ہے۔ جب کہ حسب اور نسب میں شاہ شجاع سے بہت کم مرتبے والے سپین بولدک کے مجرم کو قوم کا ہیرو اور محب وطن قرار دیا جاتا ہے۔ فیس بک کے پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ جبار قہرمان ہیرو تھا اور نہ ہی عبدالرازق۔ دونوں امریکی ہتھیاروں سے اپنے ہی وطن کے مظلوم شہریوں کو قتل کر رہے تھے۔ دونوں کے ہاتھ نہتے شہریوں کے خون سے رنگین تھے۔ قہرمان ہر داڑھی اور پگڑی والے کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ہر پگڑی والے شخص کو قتل کرنے والے کو ڈیڑھ لاکھ دیتا تھا۔ سنگوری ملیشیا کے اہل کاروں نے سیکڑوں لوگ شہید کیے۔ عبدالرازق نے تو انسانیت سوز مظالم کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ قندھار شہر کے ہزاروں مظلوم شہریوں کو تہہ تیغ کیا۔ انہوں نے کتنے لوگوں کی زندگی سے کھیلا ہوگا، یہ اللہ کو معلوم ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جنگ میں حلوے تقسیم نہیں ہوتے۔ عبدالرازق اور قہرمان کی ہلاکت پر مگرمچھ کے آنسو بہانے والے یاد رکھیں کہ انہوں نے ملاداد اللہ شہید اور ملا اختر محمد منصور شہید کی المناک شہادت پر کیوں خوشیاں منائیں۔ یہ تقدیر کا تھپڑ ہے۔ اب تمہاری باری ہے۔ فیس بک پر رونا مرد کا کام نہیں ہے۔ ہمت ہے تو میدان میں آؤ یا برداشت کیا جائے۔

فکری مخنّث

شاہد غزنیوال

جنسی تحویل transgender یا بالفاظ دیگر جنسی تبدیلی مغربی دنیا کی ایک اور آفت ہے جو انسانیت کی پیدائشی بنیادوں کو چیلنج کر رہی ہے۔ جنس تبدیل کرنے والے لوگ کچھ غیر نارمل ہوتے ہیں۔ وہ مردانگی اور نسوانیت کی عام خصوصیات سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ وہ عمل جراحی (surgery) سے اپنی مرضی کی جنس gender تبدیل کراتے ہیں۔ وہ پیدائشی طور پر تو مرد پیدا ہوئے ہوتے ہیں، مگر وہ نسوانی خاصیات و طبعیات کو دل سے محسوس کرتے ہیں۔ یا وہ پیدائشی خاتون پیدا ہوتی ہیں، مگر اُنہیں مردانہ خصوصیات پسند ہوتی ہیں۔ اس طرح کے لوگوں کو طبّی اصطلاح میں جنسی متحولین کہا جاتا ہے۔ بایں معنی کہ انہوں نے اپنی اصلی جنس کو عملِ جراحی کے ذریعے دوسری جنس میں تبدیل کر دیا ہوتا ہے۔ یہ لوگ اصلاً مرد ہوتے ہیں اور خود کو عورت بنا دیتے ہیں یا عورت ہوتے ہیں اور خود کو مرد بنا دیتی ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا عالمی سطح پر وہ ملک ہے، جہاں سب سے زیادہ جنسی متحولین موجود ہیں۔ صرف نیویارک شہر میں ان کی تعداد 2 لاکھ 72 ہزار 493 تک پہنچتی ہے۔

یہ غیر ضروری مقدمہ کچھ سابقہ جہادی رہنماؤں کے کل کے اجلاس سے یاد آیا، جو چینی سفارت خانے کی ایک دعوت میں تشریف فرما تھے۔ افغانستان جیسے مذہبی معاشرے میں اب تک مغرب کے جیسے جنسی متحولین تو نظر نہیں آتے، مگر امریکی جارحیت کی لعنت سے 'فکری متحولین' بہت پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے چہرے تو جہادی اور مذہبی شخصیات کے ہوتے ہیں، مگر عملی معاملات تمام اخلاقی اقدار کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان فکری متحولین کی واضح مثال یہی سابقہ جہادی رہنما ہیں۔ انہوں نے امریکی جارحیت کے سائے میں اپنے تمام جہادی خیالات اور فکری خاصیات مغرب پرستی کی فکر سے بدل دیے ہیں۔

انہیں 'جہادی متحولین' کا نام دینا بالکل بجا اور مناسب ہے۔ یہ لوگ اپنے دینی، فکری اور جہادی خیالات سے translating کر چکے ہیں، جو امریکی جارحیت کے نتیجے میں اخلاقی، ثقافتی اور فکری طور پر مرتب ہوئے ہیں۔ جناب حکمت یار صاحب سوویت جارحیت کے خلاف بڑے مجاہد، باشعور مزاحم اور فکری شخصیت کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ وہ آج امریکی جارحیت کے مقابلے میں اپنے تمام مثبت انفعالات کو منفی خیالات میں بدل چکے ہیں۔ وہ کل سوویت یونین کے خلاف جس قدر تشدد سے کام لیتے تھے، بدقسمتی سے آج امریکا کے دفاع میں اس سے زیادہ متشدد ہیں۔ آج کوئی بھی ایسا اجلاس آپ کو نظر نہیں آئے گا، جس میں حکمت یار شریک نہ ہوں۔ انہوں نے امریکی جارحیت کے خلاف جہاد کو غیر شرعی قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح جہاد کے ایک اور سابق رہنما استاد عبدالرسول سیاف ہیں۔ وہ روسی جارحیت کے خلاف ہر اجتماع میں سابقہ حکمرانوں پر کفر کے ٹھپے لگاتے تھے۔ وہ آج بہت خلوص سے امریکی جنرل نکولسن سے خفیہ گفتگو کرتے ہیں۔ انہیں مجاہدین کے خاتمے کے لیے مشورے اور فتوی عطا کرتے ہیں۔ اسی طرح جناب مجددی صاحب ہیں۔ وہ سوویت جارحیت کے خلاف ملی تحفظ نامی جہادی تنظیم کے سربراہ تھے۔ وہ آج امریکی سفیر کے ساتھ بیٹھنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اسی طرح جناب خلیلی، جناب استاد محقق اور دیگر افراد ہیں۔

سوویت یونین کی جارحیت کے دور میں سابق جہادی رہبر خصوصاً مذکورہ تین شدت پسند افراد وہ لوگ تھے، جنہوں نے دیگر جہادی رہنماؤں کی نسبت زیادہ امریکی تعاون حاصل کیا ہے۔ یہی تین 'شدت پسند' لوگ ہیں، جنہوں نے افغان مسئلے کے حل کے لیے لگائے جانے والے نعرے کو کفر کے مترادف قرار دیا تھا۔ یہ لوگ امریکا کی غلامی میں اتنی تحویل کر گئے ہیں کہ استاذ عبدالرسول سیاف اعلانیہ صلیبی جنگجوؤں کو افغان عوام کے قتل اور خاتمے کے مشورے دیتے ہیں۔ حکمت یار خلیل زادہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ استاد ربانی کی نمائندگی میں جان مکین کی موت پر رنج و غم کا اظہار کرتے اور مرثیے کہتے پائے جاتے ہیں۔

یہ فکری تبدیلی والے افراد سرد جنگ کے دوران امریکا کے عسکری، سیاسی اور لاجسٹک تعاون کے زور پر افغانستان کے سیاسی منظر نامے پر ابھرے تھے۔ یہ لوگ افغانستان سے سوویت فوج کے انخلا کے بعد Expired دوائیوں کی طرح اپنے عوام اور ملک کے خلاف نقصان دِہ ثابت ہوئے ہیں۔ اقتدار کی خاطر باہمی جنگ شروع میں مشغول ہوگئے۔ انہوں نے افغان عوام کا جہادی فخر پامال کیا ہے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں امریکی آمد کے موقع پر بیک آواز اس کی پشت پر کھڑے ہوگئے۔ اپنے پرانے جہادی، دعوتی اور فکری خیالات سے دست بردار ہوتے ہوئے اتنا تحول کر گئے کہ امریکا سے جو کچھ تعاون اور انعامات پہلے کمیونزم کے خاتمے کے نام پر لیتے تھے، اب وہی انعامات جہاد اور مجاہدین کے خاتمے کے نام پر لے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے جہادی سیاست کی ڈکشنری میں نئی اصطلاحات اور مفاہیم کا استعمال ہونا چاہیے۔ انہیں جہادی رہنماؤں کی بجائے 'ٹرانس جینڈرز' کی طرح ٹرانس جہادی یا 'فکری مخنث' کا نام دیا جانا چاہیے۔ ان کے موجودہ معاملات جہادی خیالات سے لگا کھاتے ہیں نہ ہی مذہبی افکار سے مطابقت رکھتے ہیں۔

آمریت سے امن تک

استاد مسعود

یہ اللہ تعالی کی خاص مہربانی ہے کہ طاغوتی قوتیں، عالم کفر، اسلام اور انسانیت کے بڑے دشمن بھاری نقصان اٹھانے کے باوجود بھی پرامید ہیں کہ وہ افغانستان پر ناجائز قبضہ برقرار رکھ سکیں گے اور ان کی کامیابی کے چانسز ہیں۔ انہیں یہ بھی توقع ہے کہ وہ جارحیت کے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ اس توقع کی وجہ سے انسانیت اور بالخصوص مسلمانوں پر اللہ تعالی کی مہربانی ہے کہ اس ذات نے کفر کی شکست کے لیے مسلمانوں کو جنگ کا حوصلہ دیا ہے۔ غیر منصفانہ اور تعصب پر مبنی فیصلے مستقبل کی لڑائیوں، بحرانوں اور مشکلات کا باعث بنتے ہیں۔ امریکا نے نائن الیون کی بنیاد پر افغانستان کے مظلوم عوام کے خلاف جارحیت کی۔ یہ امریکا کی بہت بڑی غلطی تھی۔ وہ آج اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔

اعلی امریکی حکام، امریکی سینیٹ کے ارکان، فوجی ماہرین، سفارت کاروں، سول سوسائٹی کے کارکنوں، چھوٹی اور بڑی تنظیموں نے بارہا اعتراف کیا ہے کہ عوامی مقامات کو نشانہ بنانے، مجاہدین کی حمایت کے جرم میں شہریوں پر تشدد کرنے، فضائی حملوں اور رات کے چھاپوں میں خواتین اور بچوں سمیت نہتے شہریوں کو مارنے کے باوجود ہم مجاہدین کی مزاحمت کو کچلنے میں کامیاب ہوئے اور نہ ہی عوام کو مجاہدین سے دور کرنے میں کامیابی ملی۔ بھاری نقصان اٹھانے کے بعد اب یہ نتیجہ سامنے آیا ہے کہ فوجی کا استعمال کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اب امریکا طالبان سے امن کی بھیک طالبان سے مانگ رہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ امریکا نے اپنے تمام اتحادیوں کی مشاورت کے بعد طالبان کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ امریکی خصوصی نمائندے نے قطر میں سیاسی دفتر کے رہنماؤں سے ملاقات کی ہے۔

زمینی حقائق اور امریکی اعترافات سے واضح ہوتا ہے کہ امریکا نے 17 سال کے بعد اپنے اہداف سے پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ایک تاریخی بحران کا شکار ہے۔ امریکا نے اس کے ساتھ حملوں، چھاپوں اور شہریوں کے قتل عام کا سلسلہ بھی جاری رکھا ہوا ہے، شاید اُس کا خیال ہو کہ "یہ کامیابی ہے۔" امریکا ایک آمر کے روپ میں افغانستان آیا اور اب اس کی فوجی طاقت، سیاسی ساکھ اور بین الاقوامی حیثیت کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ اب وہ پُرامن انخلا کا راستہ تلاش کر رہا ہے۔ امریکا جب بھی کسی ملک پر جارحیت کرتا ہے تو اُس کے کئی مقاصد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ وہاں کی معدنیات بھی لوٹ لینا چاہتا ہے۔ افغانستان میں امریکا کا منصوبہ اُلٹ گیا ہے۔ اس طویل جنگ کے نتیجے میں امریکی ساکھ کو جو دھچکا لگا تھا، امریکی حکام مذاکرات کے ذریعے کم از کم بین الاقوامی سطح پر خراب ہوتی ساکھ بحال کرنے کی امید میں ہیں۔

امن اور اس کے نتائج فریقین کے لیے سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے دونوں کوشش کر رہے ہیں کہ بھرپور صلاحیت کے ساتھ فریق مخالف پر برتری حاصل کر سکے۔ اسے مذاکرات پر مجبور کیا جا سکے۔ اس لیے ٹرمپ کی نئی پالیسی کے بعد کابل، ہلمند، ننگرہار، پکتیا اور دیگر صوبوں میں فضائی حملوں اور رات کے چھاپوں کے ساتھ امن پر بھی زور دیا گیا ہے۔ امریکی کمانڈر جنرل نکلسن نے طالبان پر سیاسی، فوجی اور مذہبی دباؤ بڑھانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا اور وہ ناکامی کے بعد اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔ جنرل نکلسن کو ذلت آمیز طریقے سے افغانستان سے جانا پڑا۔ اس کی جگہ جنرل میلر کو تعینات کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایف 35 طیاروں کا تجربہ بھی کیا گیا۔ قندھار، بغلان، ننگرہار، ہلمند، کاپیسا، فاریاب، کابل، میدان وردگ، لوگر، پکتیا اور ملک بھر میں شادیوں، مساجد، نجی املاک کو نشانہ بنایا گیا۔ فضائی حملوں، چھاپوں اور شہریوں کے قتل عام کا سلسلہ تیز کر دیا گیا۔ مزید یہ کہ یہ جنگ بلیک واٹر کو جنگ ٹھیکے پر دینے پر بھی غور شروع کیا جا رہا ہے۔ تاہم مجاہدین نے دشمن کے تمام حربوں کو ناکام بناتے ہوئے بڑے حوصلے کے ساتھ اپنی کارروائیاں جاری رکھیں اور دشمن کو شکست دے کر مذاکرات پر مجبور کیا گیا۔

امریکا نے 17 سال قبل جس غرور کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا، اب وہ دفاعی جنگ اختیار کر کے طالبان سے امن کی بھیک مانگ رہا ہے۔ اس نے کھربوں ڈالر ضائع اور ہزاروں فوجی قتل کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ طالبان کو ہرانا مشکل کام ہے۔ افغان تنازع کا حل فوجی نہیں سیاسی ہے۔ اگر طالبان امریکی مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور اپنے مؤقف پر ڈٹ کر مقابلہ کریں تو یہ سیاسی محاذ پر امریکا کی شکست ہے۔ مشکل حالات میں امریکا کے لیے ایک اور بحران ہو گا۔ افغانستان کے مظلوم عوام اس صورت حال سے دلبرداشتہ نہ ہوں۔ گزشتہ سترہ برس کی طویل جنگ کے بعد امریکا اب اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اس جنگ کے مثبت نتائج برآمد نہیں ہو رہے اور اس کا مستقبل تاریک ہے۔ مجاہدین نے نہایت بہادری اور جرات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا۔ وہ دن دور نہیں کہ سیاسی محاذ پر بھی امریکا کو شکست ہو گی۔ وہ طالبان کے تمام مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہو گا۔ ایک آزاد ملک کی حیثیت سے افغانستان کے عوام اپنے مستقبل کے تعین خود کریں گے۔ ان شاءاللہ

بے سود پارلیمانی انتخابات

خبیر احمد مجاہد

20 اکتوبر کو افغانستان میں امریکی پرچم تلے ایک بار پھر افغان عوام پر اپنے مہرے مسلط کرنے کے لیے جعلی انتخابات کا ڈرامہ رچایا گیا۔ ذرائع کے مطابق ان انتخابات میں پارلیمنٹ کی 449 نشستوں پر 2500 امیدواروں نے حصہ لیا۔ ان میں 400 خواتین بھی شامل تھیں۔ امارت اسلامیہ نے انتخابات کے بارے جاری اعلامیے میں انتخابات کو امریکی جارحیت پسندوں کی موجودگی میں ایک ڈرامہ قرار دیا۔ عوام سے سختی کے ساتھ اپیل کی کہ اس امریکی منصوبے میں بالکل حصہ نہ لیا جائے۔

روس اور کریملین کی عادت یہ تھی کہ جب اپنے کسی کٹھ پتلی غلام کی غلامی سے اُکتا جاتے، اس میں کوئی نقص دیکھتے یا اُن کو اس سے کوئی بہتر غلام نظر آتا تو سابقہ غلام کو موت کا پروانہ تھما دیا جاتا۔ جہاں سب سے پہلے نور محمد ترہ کئی کو حفیظ اللہ امین کے ہاتھوں قتل کروا کر اقتدار امین کے سپرد کیا گیا۔ جب بعد میں ببرک کارمل میں جاسوسی اور غلامی کی صفات زیادہ نظر آئیں تو حفیظ اللہ امین کے قتل کا فیصلہ کر کے ماسکو سے کے۔ جی۔ بی کے خصوصی کمانڈوز کو کابل بھیجا۔ انہوں نے دارالامان میں حفیظ اللہ امین کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ چوں کہ ببرک کارمل اپنے سابق پیش رُو کا انجام دیکھ چکے تھے، اس لیے انہوں نے اپنی جان کی فکر کرتے ہوئے اقتدار ڈاکٹر نجیب کے حوالے کر دیا۔

دوسری جانب امریکا اور سی۔ آئی۔ اے اپنے غلاموں کے ساتھ روس والا معاملہ نہیں کرتے۔ وہ اپنے غلاموں کو اقتدار دلاتے ہیں۔ اپنے پروردہ میڈیا کے ذریعے راتوں رات اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچاتے ہیں۔ مغربی میڈیا ان کے رہن سہن لباس اور تعلیم کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے کہ گویا یہی شخص افغان عوام کا مسیحا ثابت ہوگا۔ جب غلامی کی مدت پوری ہونے کے بعد خود ساختہ اور جعلی انتخابات کے نام پر ان سے اقتدار چھین کر دوسرے غلام کے حوالے کیا جاتا ہے تو دنیا نئے غلام کی آن بان شان میں گُم ہو کر سابقہ غلام کا نام تک بھول جاتی ہے۔ امریکا نے افغانستان پر سب سے پہلے کرزئی کو مسلط کیا۔ آج کرزئی دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ اُن کے بعد اشرف غنی کو مسلط کیا گیا۔ میڈیا میں انہیں دنیا کا دوسرا مفکر قرار دیا گیا۔ اب ایک مرتبہ پھر افغان عوام پر ایک نیا مہرہ مسلط کرنے کی تیاری کی جا چکی ہے۔

انتخابات کے اس جعلی پروجیکٹ میں صرف امریکا کا مفاد پوشیدہ ہے۔ وہ ان جعلی انتخابات کے ذریعے اپنی جارحیت اور وحشت پر نقاب ڈالنا چاہتا ہے۔ گزشتہ 17 سال سے مسلسل طور پر ہر مرحلے پر ہونے والے انتخابات نے افغان عوام کی مشکلات میں مزید اضافہ کیا ہے۔ کیوں کہ وہ جسے اپنا نمائندہ سمجھ بیٹھے، وہ دراصل سی۔ آئی۔ اے کا غلام ہوتا ہے جس کے سامنے اپنے عوام کے بجائے اپنے آقا کا مفاد مقدم ہوتا ہے۔

گزشتہ 17 سال کے عرصے میں امریکا اور اس کے اجرتی قاتلوں کے فضائی حملوں، چھاپوں اور مختلف حملوں میں 4 لاکھ نہتے افغان شہید، جب کہ 10 لاکھ کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ 20 لاکھ افراد کو ناکردہ جرائم کی پاداش

میں جیل میں ڈالا گیا۔ گزشتہ انتخابات میں کامیاب ہونے والے امیدوار اس وحشت اور سربریت کے بارے کیوں خاموش ہیں؟ انہوں نے ان مظالم کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھائی؟ دوسری جمہوری ریاستوں میں تو منتخب ہونے والے امیدواروں کی پہلی ترجیح عوام کے حقوق اور ان کی بنیادی ضروریات اور ان کے جان ومال کی حفاظت ہوتی ہے؟ کسی قیمت پر بھی ان بنیادی عوامی حقوق پر سمجھوتہ نہیں کیا جاتا۔ افغانستان میں نام نہاد پارلیمنٹ اور اس کے ارکان اپنے 4 لاکھ نہتے شہریوں کے قتل عام پر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں، آج تک کسی امیدوار کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ وہ امریکا کے سامنے اپنے شہریوں کے قتل عام کا مسئلہ اٹھائے۔

کیا اشرف غنی اور چیف ایگزیکٹیو عبداللہ وہ مہرے نہیں، تھے جنہیں جعلی انتخابی ڈرامے کے بعد جان کیری کے ایماء پر اقتدار پر مسلط کیا گیا تھا۔ انہوں نے اقتدار کے محض تیسرے دن امریکا کے ساتھ افغانستان کی سرزمین کا سودا کر لیا۔ اسی پارلیمنٹ نے سکیورٹی معاہدے کے نام سے اس پر بند آنکھوں اور مردہ ضمیر کے ساتھ دستخط کر کے اپنی بہترین غلامی کا ثبوت فراہم کیا۔ ان انتخابات میں جن امیدواروں نے حصہ لیا، ان میں اکثریت ان مغربی غلاموں کی ہے یا ان کے خاندان کے دیگر افراد کی ہے۔

2500 امیدواروں کی انتخابی مہم میں مختلف نعروں کے ساتھ شریک ہونے والے کسی بھی امیدوار نے اپنے پوسٹر پر یہ منشور اور نعرہ نہیں لکھا کہ کامیاب ہونے کے بعد وہ ملک سے امریکی جارحیت کے خاتمے کے لیے جدوجہد کریں گے۔ امریکا اور اس کے تربیت یافتہ مسلح جنگجوؤں کے ہاتھوں نہتے افغان شہریوں کے قتل عام کا سلسلہ روک لیں گے۔

امارت اسلامیہ کے اعلامیے میں کہا گیا ہے کہ امریکی جارحیت پسند فوج افغانستان پر قابض ہے۔ افغان عوام کے قتلِ عام کے لیے ہر وقت نئے ہتھیار ایجاد کر کے افغان سرزمین پر بے دریغ استعمال کیے جا رہے ہیں۔ حتی کہ وہ اپنے خلاف کسی بھی محاذ پر سرگرم عمل افغان عوام کو جینے کے حق سے محروم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ آئے روز فضائی بمباری اور گھروں پر چھاپے مار کر نہتے عوام سے جیلیں بھر دی جاتی ہیں۔ اب جنگ کو نیا رخ دینے کے لیے بدنام زمانہ امریکی قاتل ایجنسی بلیک واٹر کو میدان میں اتارنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

اب عوام کی توجہ دوسری جانب مبذول کرانے کے لیے انتخابات کے نام پر ڈرامہ رچایا گیا۔ جارحیت پسندوں کے فنڈ سے چلنے والے میڈیا نے اس کی خوب تشہیر بھی کی ہے۔

الحمدللہ افغان عوام کی بھاری اکثریت نے انتخابات میں حصہ نہ لے کر ثابت کیا کہ انہوں نے طالبان کی اپیل پر لبیک کہا ہے۔ ابتدائی اطلاعات کے مطابق صرف تیس فیصد علاقوں میں جزوی انتخابات ہوئے۔ افغان عوام اچھی طرح جانتے ہیں کہ انتخابات کے لیے لائے گئے بیلٹ بکس میں اگر ووٹ کی پرچی کے بجائے پتھر بھی ڈالے جائیں یا خواہ ان انتخابات میں فریب، دھوکہ دہی اور دھاندلی کے مصدقہ ثبوت پوری دنیا تک ہی کیوں نہ پہنچیں، امریکا کے ہاتھوں بنائے گئے الیکشن کمیشن ان امیدواروں کو کامیاب قرار دے گا، جنہیں باقاعدہ امریکی سفارت خانے کی منظوری حاصل ہوگی۔ یہ انہی کی مرضی پر منحصر ہے کہ اپنی غلامی کے لیے وہ پارلیمنٹ میں کن نئے غلام چہروں کو متعارف کروا کر ان کے ہاتھوں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف امریکا کے دست وبازو کا کردار ادا کریں گے۔

فتوحات کی نئی لہر

سیف العادل احرار

امریکا نے القاعدہ کا بہانہ بنا کر امارت اسلامیہ کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ قاتلوں۔ لٹیروں اور جرائم پیشہ عناصر کو افغانستان پر مسلط کر دیا۔ آزادی اظہار رائے اور جمہوریت کے نام پر فحاشی و عریانی کو فروغ دیا۔ مغربی تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے سیکولر عناصر کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ نئی نسل کو دین سے بیزار اور گمراہ کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کا سہارا لیا گیا۔ ترقی اور تعمیر نو کے نام پر اربوں روپے چند لٹیروں نے ہڑپ کر لیے۔

امارت اسلامیہ کی قیادت میں افغان عوام اور مجاہدین نے قابض امریکی و نیٹو فورسز کے خلاف مسلح جہاد شروع کیا۔ سترہ برس بعد افغانستان کی سیاسی اور اقتصادی صورت حال قابل رحم ہے۔ ایک تنظیم کو ختم کرنے کے لیے ساڑھے چار لاکھ مظلوم شہریوں کا قتل عام کیا اور اب کابل انتظامیہ کے مطابق افغانستان میں 22 دہشت گرد تنظیمیں موجود اور فعال ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امریکا نے نام نہاد دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر دہشت گردی کو فروغ دیا۔ القاعدہ کو ختم کر کے داعش کو پروان چڑھایا۔ اب جعلی پارلیمنٹ کے ارکان، سیاست دان، سول سوسائٹی کے کارکنان اور عام لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امریکا ہمارا دشمن ہے۔ ہماری ریاستی خود مختاری ختم ہوئی۔ معیشت زبوں حالی کا شکار ہے۔ افیون کی کاشت میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے۔ ہر روز سکیورٹی فورسز کے درجنوں اہل کار مارے جاتے ہیں۔ ستر فیصد رقبے پر مجاہدین کا کنٹرول ہے۔

اس صورت حال کے بعد امریکا بھی اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ افغان تنازع کو مذاکرات سے حل کیا جا سکتا ہے۔ ٹرمپ نے ایک سال قبل نئی پالیسی کا اعلان کیا اور اس کے تحت افغانستان میں طاقت کا بھرپور استعمال کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ فراہ اور صوبہ غزنی سمیت 32 اضلاع اور سیکڑوں چوکیوں پر طالبان نے اپنا کنٹرول قائم کیا۔ پندرہ ہزار سے زائد افغان فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس پالیسی سے مایوس ہو کر ٹرمپ نے حکمت عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا اور افغان نژاد امریکی سفارت کار زلمی خلیل زاد کو ٹاسک دیا کہ وہ افغان تنازع مذاکرات کے ذریعے حل کریں۔ جس نے کابل انتظامیہ کے سربراہان، سیاست دانوں، ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں اور قطر میں طالبان کے سیاسی دفتر کے رہنماؤں سے ملاقات کی اور اس بات پر اتفاق کیا کہ افغان تنازع کا حل سیاسی عمل سے ممکن ہے۔

دوسری جانب مجاہدین نے ملک بھر میں فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا ہے۔ ان کے جارحانہ حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق مجاہدین نے صوبہ پکتیا کے ضلع خوشامند، غزنی کے اضلاع شلگر اور آب بند کو فتح کر کے وہاں سفید پرچم لہرا دیا گیا۔ صوبہ سمنگان کے ضلع درہ صوف میں کامیاب کارروائی میں پولیس سربراہ خوانی طاہر اور اس کے ڈپٹی سمیت 30 اہل کار ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے۔ مجاہدین نے دو ٹینک، 8 فوجی گاڑیاں اور بھاری مقدار میں اسلحہ و گولہ بارود غنیمت میں حاصل کیا۔ فراہ کے ضلع فراہ رود میں ایک فوجی بیس اور چار چیک پوسٹوں سے فوج فرار ہوگئی۔ ضلع پشت رود

میں چار فوجی اڈے اور تین چوکیاں مکمل طور فتح ہوئیں۔ قندھار کے ضلع معروف میں ثالشون فوجی اڈہ بھی فتح ہوا۔ صوبہ بادغیس کے دارالحکومت میں 8 چوکیاں فتح اور بھاری مقدار میں اسلحہ برآمد کیا گیا۔ صوبہ فراہ کے تین اضلاع خاک سفید، بالابلوک اور پشت رود میں قابض امریکی اور افغان فورسز کے ساتھ مجاہدین کی جھڑپوں میں ایک ترجمان اور پانچ امریکی فوجیوں سمیت 20 کمانڈوز ہلاک اور متعدد اہل کار زخمی ہوئے۔

قندوز کے ضلع قلعہ زال میں ایک فوجی بیس فتح اور اس میں 25 اہل کار ہلاک ہوئے۔ ایک اور کارروائی میں تین کمانڈروں 'خیر، آغامراد اور خیری دیش' سمیت 17 فوجی ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔ صوبہ دایکندی کے ضلع کجران میں دشمن کا ایک بیس، ایک فوجی اڈہ، تین چوکیاں فتح اور 19 اہل کار ہلاک ہوئے۔ صوبہ زابل کے ضلع سیوری پر مجاہدین نے حملہ کر کے 12 اہل کاروں کو ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ضلع شینکی میں تین چوکیاں فتح، 29 فوجی ہلاک ہوئے۔ میدان وردگ کے ضلع جلریز میں دو چوکیاں فتح ہوئیں۔ ہلمند کے ضلع مارجہ میں مجاہدین کے ساتھ جھڑپوں میں 16 اہل کار ہلاک، تین ٹینک اور دو فوجی گاڑیاں تباہ ہوئیں۔

صوبہ زابل میں تین مقامات: شہر صفا، قلات اور شاجوئی میں قندھار کابل قومی شاہراہ گزشتہ ایک ہفتے سے بند ہے۔ مجاہدین نے مختلف مقامات پر پوزیشن سنبھال رکھی ہے۔ وہ دشمن کے کانوائے پر حملے کر رہے ہیں۔ دشمن نے قومی شاہراہ کھولنے کے لیے متعدد بار کوشش کی، لیکن ہر بار ناکامی سے دوچار ہوا۔ طالبان نے عام مسافر گاڑیوں کو آمد و رفت کی اجازت دی ہے۔ جب کہ سرکاری اہل کار اس شاہراہ پر سفر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح غزنی میں بھی یہ شاہراہ تین روز سے بند ہے۔ ادھر ہرات قندھار قومی شاہراہ کو شین ڈنڈ میں مجاہدین نے ہلاک کر کے اپنے مورچے مستحکم کر لیے ہیں۔

دشمن کی عادت ہے کہ مجاہدین کے ساتھ اس کو بڑے پیمانے پر جانی اور مالی نقصان کا سامنا ہوتا ہے تو اس کا بدلہ مظلوم شہریوں سے لیتا ہے۔ گزشتہ ایک ماہ کے دوران مجاہدین نے ملک بھر میں دشمن پر ہلاکت خیز حملے کیے۔ دشمن کے اعتراف کے مطابق ایک ماہ کے دوران سات سے زائد فوجی ہلاک اور پانچ سو زخمی ہوئے۔ پولیس اور لیویز اہل کاروں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ جب دشمن کو دھچکہ لگا تو اس نے ننگرہار، لغمان، میدان وردگ، پکتیا سمیت 12 صوبوں میں نہتے شہریوں پر فضائی حملوں اور چھاپوں کا ظالمانہ سلسلہ تیز کر دیا۔ دشمن کی کارروائی میں نو سو سے زائد شہری شہید اور زخمی ہوئے۔ یوناما اور آزاد میڈیا نے بھی اس کی تصدیق کی اور امارت اسلامیہ کی ماہانہ رپورٹ میں بھی اس کی مکمل تفصیل شامل ہے۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ دشمن نے مظلوم شہریوں پر چھاپے مارے۔ متعدد شہریوں کو نشانہ بنایا اور ان کے گھروں کو آگ لگائی اور پھر میڈیا پر اعلامیہ جاری کیا کہ اس کارروائی میں اتنے دہشت گرد جاں بحق ہوئے۔ جس پر متاثرین نے شدید غم و غصے کا اظہار کیا کہ ہمیں مارے جاتے ہیں اور پھر دہشت گرد کے القابات بھی دیے جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے نام نہاد اور کٹھ پتلی حکمران اس پر مکمل خاموش ہیں۔ چار سال کے دور میں انہوں نے کبھی کسی ایک واقعہ پر بھی افسوس کا اظہار کیا ہے اور نہ ہی کسی واقعہ کی مذمت کی۔ ملک پر قابض قوتوں کا قبضہ ہے۔ جن کے خلاف امارت اسلامیہ کی قیادت میں افغان عوام کا مقدس جہاد کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ امریکا کو وطن عزیز سے واپسی کا اعلان کرنا ہوگا۔

ان شاءاللہ

مغرب کی اسلام دشمنی!

حسن زوی

دنیا بھر کے مسلمان ایک حد تک اس اضطراب سے نکل چکے ہیں، جو ہالینڈ میں ایک مقابلے کے انعقاد کے اعلان کے بعد سامنے آیا تھا۔ امارت اسلامیہ کی دھمکی، دنیا بھر کے مسلمانوں کے فوری رد عمل اور اسلامی ممالک کے کچھ رہنماؤں کی جانب سے سیاسی دباؤ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی سے ہالینڈ حکومت نے یہ مقابلہ منسوخ کر دیا۔ یہ عظیم الشان پیغمبر محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی توہین (نعوذ باللہ من ذلک) کے لیے کارٹون بنانے کا مقابلہ تھا۔ اس کا اعلان ہالینڈ کی پارٹی آف فریڈم کے سربراہ گیرٹ وِلڈر نے کیا تھا۔ انہوں نے اظہار رائے کی آزادی کے نام پر اس قبیح فعل کے ذریعے تمام دنیا کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی۔ خوش قسمتی سے یہ مقابلہ منسوخ کر دیا گیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اسلامی دنیا پر مسلط حاکموں کی جانب سے بالاتفاق ایسا کوئی اقدام، آواز یا کوئی قابل ذکر سیاسی دباؤ سامنے نہیں آیا، جس کے باعث ہمیشہ کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اسلامی مقدسات کی توہین کا راستہ روکا جا سکتا۔ اس حوالے سے آئندہ کے لیے مسلم دنیا کے عوام بے فکر اور مطمئن ہو جاتے۔

سچی بات ہے گزشتہ کی طرح اس بار بھی عام مسلمانوں کا رد عمل فوری تھا۔ اپنے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا پورے اخلاص سے مظاہرہ کیا گیا۔ اس محبت پر پوری دنیا میں تقریباً 100 مسلمانوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اسلامی کانفرنس اور اکثر اسلامی ممالک نے اس حوالے سے جفاکاری دکھائی اور اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کیں۔ پاکستان کی نئی انتظامیہ نے پاکستان میں متعین ہالینڈ کے سفیر کو طلب کیا اور اس حوالے سے اپنا احتجاج ریکارڈ کروایا۔ سوڈان کے صدر عمر البشیر نے دارالحکومت خرطوم میں ہالینڈ کا سفارت خانہ گرانے اور وہاں خاتم النبیین مسجد بنانے کا اعلان کیا۔ ترکی کے صدر نے نسبتاً زیادہ جرات کا مظاہرہ کیا اور ہالینڈ کے سفیر کو ملک بدر کر دیا۔ ان کے علاوہ اور کسی بھی اسلامی ملک نے کوئی قابل ذکر رد عمل نہیں دکھایا۔

انسانی معاشرے میں ہر چیز کے لیے حدود ہوتی ہیں۔ تمام لوگ ان قوانین کو مفید اور لازمی سمجھتے ہیں۔ کوئی بھی معاشرہ ایسا نہیں ہے، جہاں انسان مکمل طور پر آزاد یا مکمل آزادی کو مفید سمجھتا ہو۔ دنیا بھر میں کوئی بھی ملک ایسا نہیں ہے، جہاں ہاتھ، زبان یا قلم چلانے کے لیے ہر کوئی پوری طرح آزاد ہو۔ وہ ان ذرائع سے جس کو بھی نقصان پہنچانا چاہے، پہنچا سکے۔ اگر کوئی شخص مغربی ممالک میں کسی ادنی فرد کو بھی زبان سے ایسا کچھ کہتا ہے، جس سے اسے تکلیف پہنچتی یا اس کی بے احترامی ہوتی ہے تو یہ جرم سمجھا جاتا ہے۔ ایسے مجرم پر بسا اوقات بڑے بڑے مالی جرمانے بھی عائد کیے جاتے ہیں۔ اگر کسی عام شخص کے بجائے بات ایک قوم اور مذہب کی ہو تو جرم اور بھی بڑا اور بھاری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جرمن نازیوں کے ہاتھوں ساڑھے چھ ملین یہودیوں کی ہلاکت وہ افسانہ ہے، جسے یہود نے خود کو مظلوم ظاہر کرنے کے لیے گھڑا ہوا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کسی کے پاس اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا۔ چوں کہ ہولوکاسٹ کے انکار سے دنیا بھر کے یہودیوں کی دل آزاری ہوتی ہے، اس لیے ہولوکاسٹ کا

انکار جرم سمجھا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص آزادی اظہار کے نام پر اس کا انکار نہیں کر سکتا۔

مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نہ انہیں اعتراض کرنے کا کوئی شوق ہے۔ مسلمان دنیا سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں۔ اگر یہودیوں کا خیال رکھتے ہوئے ہولوکاسٹ کا انکار جرم ہے تو مسلمانوں کے جذبات کا خیال کیوں نہیں رکھا جاتا؟ اسلامی مقدسات کی توہین کو جرم کیوں نہیں سمجھا جاتا؟ ہالینڈ میں حالیہ اعلان کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں نے تمام تر انسانی سوسائٹی اور خصوصاً اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا کہ تمام انبیائے کرام، آسمانی کتابوں اور اسلام کے ساتھ تمام مذاہب کے مقدسات کی توہین کو عالمی سطح پر جرم قرار دیا جائے۔ اس کے لے سخت سزا متعین کی جائے۔ تاکہ اس غلط اقدام کا ہمیشہ کے لیے راستہ روک دیا جائے۔ یہ کتنا معقول مطالبہ ہے! افسوس کہ عالمی برادری یا اقوام متحدہ نے اس مطالبے کا کوئی مثبت جواب نہیں دیا۔ اسی اقوام متحدہ نے مشرقی تیمور اور مشرقی سوڈان کے مسائل میں حد سے زیادہ دل چسپی دکھائی۔ کیوں کہ ان دونوں مقامات پر مسلم ممالک کی تقسیم سے مسیحیوں کے لیے علیحدہ ریاست کا قیام ممکن ہو رہا تھا۔ جب اسلامی دنیا کی جانب سے انتہائی اہم مطالبہ کیا جا رہا ہے تو یہ ادارہ اسے کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ اس حوالے سے ایسی خاموش ہے کہ جیسے یہ کوئی قابل تشویش بات ہی نہیں یا اس بارے اس ادارے کو کچھ بھی علم نہ ہو۔

اب ہر کوئی جانتا ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے بہت سے مغربی ممالک کی میڈیا پر مسلمانوں کے پیغمبر اور دیگر مقدسات کی توہین کا جو سلسلہ جاری ہے، یہ جہالت نہیں، بلکہ ایک طے شدہ منصوبہ ہے۔ یہ ایک منظم، مربوط اور طویل جنگ کا انتہائی اہم حصہ ہے۔

یہ بات یقینی ہے کہ جو لوگ تہذیبوں کے درمیان تصادم کی بات کو ہوا دے رہے ہیں، یہی لوگ اظہار رائے کی آزادی کے عنوان کے تحت اسلام مخالف ہمہ پہلو تیسری عالمی جنگ شروع کر چکے ہیں۔ تسلیمہ نسرین، سلمان رشدی اور ٹیری جونز جیسے لوگوں کو امریکا اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے تحفظ اور سہولیات فراہم کرنا، ان کی بری حرکتوں کا دفاع اور اس طریقے سے دوسروں کو اس بات پر ابھارنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام کے تمام مقدسات کی توہین کے پس پردہ امریکا اور دیگر مغربی قوتوں کا ہاتھ ہے۔ اقوام متحدہ جیسا بے اختیار ادارہ کیسے اس کی راہ روکے گا؟

ایسا نہیں کہ مغرب یا اقوام متحدہ اسلامی مقدسات کی توہین کے حوالے سے مسلمانوں کی حساسیت سے بے خبر ہیں یا یہ کوئی آج پیش آنے والا نیا واقعہ ہے۔ مغرب یہ سب جانتا ہے۔ اسی لیے تو دل کھول کے ایسے اقدامات کر رہا ہے۔ اس راہ میں جو نقصان انہیں پیش آ رہا ہے، اسے برداشت کرتے جا رہے ہیں۔ مارچ 2008 میں ڈنمارک کے اخبارات میں شائع ہونے والے کارٹونز کے خلاف پوری دنیا کے مسلمانوں نے مظاہرے کیے تھے۔ جس سے مغربی دنیا کے سامنے واضح ہو گیا کہ مسلمان عملی لحاظ سے جتنے بھی کمزور ہوں، اپنے نبی کی توہین کسی صورت ان کے لیے قابل برداشت نہیں ہے۔ ہر امتی اپنے پیغمبر کی حرمت پر جان قربان کرنے کو تیار ہے۔ اگر مغرب واقعی امن چاہتا ہے، انسانی حقوق کا تحفظ چاہتا ہے، اقوام عالم کے مذاہب کا احترام کرنے میں مخلص ہے تو جس طرح ہولوکاسٹ کا انکار جرم قرار دیا گیا ہے، اسی طرح تمام اسلامی مقدسات کی توہین بھی جرم قرار دی جائے۔ بدقسمتی سے مغرب کے پاس ایسی اخلاقی جرات نہیں ہے۔ اس لیے یہ سلسلہ جاری ہے۔ ڈنمارک کے بعد ناروے، فرانس اور جرمنی کے اخبارات میں بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے شائع ہو گئے۔ جس کا تقریباً ساتھ سال بعد رد عمل بھی آ گیا۔

18 جنوری 2015 کو فرانس سے شائع ہونے والی چارلی ہیبڈو نامی ہفت روزہ میگزین کے دفتر پر 3 مسلمان مسلح افراد ایسے حال میں داخل ہوئے کہ دفتر میں خاکوں کی اشاعت کے حوالے سے اجلاس جاری تھا۔ اجلاس پر فائرنگ سے مدیر، 4 کارٹونسٹ، 10 صحافی اور 2 پولیس اہل کاروں سمیت 12 افراد ہلاک 20 افراد

زخمی ہوگئے۔ حملے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت کی جانب سے توہین کے لیے شائع ہونے والے خاکوں کی مذمت کی جاتی، مگر متعصب عیسائی حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ تب کے فرانسیسی صدر فرانسو اولاند نے کہا تھا کہ ہماری امیدوں کے برخلاف عمل ہونے پر ہمیں چیلنج کرنے کی کوشش اس لیے کی گئی کہ ہم آزادی پسند ہیں۔ توہین مذہب کی ایک سازش کے حوالے سے 1919 میں امریکی سپریم کورٹ کی جانب سے صادر ہونے والے ایک فیصلے میں درج تھا کہ 'اظہار رائے کی آزادی کا ہدف کبھی بھی یہ نہیں ہے کہ انسانوں سے بھرے ایک تھیٹر میں کوئی اٹھے اور ایسا کچھ کہے، جس سے تھیٹر میں موجود لوگوں میں آگ لگ جائے'۔

مغرب میں اسی اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں دیا جاتا کہ کسی کو زبان سے بھی تکلیف پہنچائے۔ جب بات مسلمانوں کی آتی ہے تو ہالینڈ جیسے ملک میں ان انسانوں کے جذبات و احساسات کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ مسلمان متحد اور یک زبان نہیں ہیں۔ ایک قیادت سے محروم ہیں۔ اس کے حکمران دین سے دور اور دینی غیرت و حمیت سے بے بہرہ ہیں۔ ہر حوالے سے بے اتفاقی اور تقسیم کا شکار ہیں۔ اسی لیے سیاسی طاقت اور حیثیت سے محروم ہیں۔ لوگ ان کے دین کی اہانت کر رہے ہیں، مگر یہ اس کی روک تھام نہیں کر رہے۔ مغرب میں اظہار رائے کی آزادی کا خوب صورت نعرہ درحقیقت اس آگ کا شعلہ ہے، جس سے اسلام دشمنی اور تعصب ہی کا دھواں اٹھتا ہے۔

گیریٹ ولڈر نے بہت پہلے ہالینڈ میں قرآن کریم پر پابندی کا مطالبہ کیا تھا۔ ہالینڈ میں مسلمانوں کی آمد پر بھی آواز اٹھائی تھی۔ مساجد کے مینار گرانے اور نئی مساجد کی تعمیر پر پابندی کی حمایت کے لیے کوششیں کی ہیں۔ جب ہالینڈ میں مسلمان خواتین کے حجاب پر پابندی گئی تو انہوں نے کہا تھا کہ ہالینڈ سے اسلام کو نکالنے کا یہ بہت مؤثر اقدام ہے۔

2007 میں اسلام مخالف 17 منٹ کی ایک فلم بھی بنائی گئی۔ فلم میں اسلام پر ایسے گھٹیا الزامات لگائے گئے اور اس کا مواد اتنا متنازع تھا کہ امریکا اور برطانیہ نے بھی اپنے ممالک اس کی نشریات کی اجازت نہیں دی۔ گیرٹ ولڈر کے خلاف ہالینڈ میں کئی مرتبہ مذہب کی توہین کے حوالے سے لوگ عدالتوں میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ مگر متعصب عدالتوں نے ایک بار بھی اسے سزا نہیں دی۔

مغرب کو جان لینا چاہیے کہ اس کی منافقت دنیا کے سامنے کھل کر واضح ہو گئی ہے۔ یہ لوگ خود کو آزادی کا چیمپیئن قرار دیتے ہیں، مگر قرآن کریم پر پابندی عائد کرتے ہیں۔ یہ لوگ عام انسانوں کو قرآن کریم کی روشنی سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ انسانی آزادی کا ڈھول بجاتے ہیں۔ مگر مسلمان خواتین کو اسلامی لباس پہننے پر ناراض ہوتے ہیں۔ خود کو شدت پسندی کا مخالف قرار دیتے ہیں۔ مگر اسلام کے خلاف شدت پسندی کی تمام حدود عبور کر چکے ہیں۔ خود کو انسانی مساوات اور انسانی حقوق کا محافظ قرار دیتے ہیں، مگر عملاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک غیر انسانی ہے۔ بلا تفریق تمام مذاہب کے احترام کا دعوی کرتے ہیں، مگر دنیا کے سب سے بڑے اور سچے آسمانی دین کی توہین بھی کرتے ہیں۔

مغرب میں ہونے والے سروے بتاتے ہیں کہ قرآن کریم کی بے ادبی کے بعد اس عظیم الشان کتاب کے مطالعے میں اضافہ ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مبارک شان میں گستاخی کے بعد سیرت مبارکہ کے مطالعے میں اضافہ ہوا ہے۔ اس مطالعے نے لوگوں پر بہت اثرات مرتب کیے ہیں۔ لوگ اسلام کی حقیقی صورت سے باخبر ہوئے ہیں۔ جس سے وہ اسلام کی جانب مائل ہوئے ہیں۔ بہت بڑی تعداد میں انہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اللہ تعالی نے اسلام کو شان ہی ایسی دی ہے کہ جو اسے دبانے کی کوشش کرتا ہے، یہ اُتنا ہی اُبھرتا ہے۔

امریکہ سوچ لے

بشیر خان

7 اکتوبر کا دن امریکی وحشتوں اور صلیبی جارحیت کے ہیبت ناک حملوں کی یاد دلاتا ہے۔ یہ دن افغان عوام کو وہ تمام مصنوعی بہانے اور جعل سازیاں یاد دلاتا ہے، جن کے ذریعے امریکا نے دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ شروع کی۔ امریکا کا خیال تھا کہ وہ اپنی عسکری قوت کے ذریعے افغانستان میں چند ہفتوں میں کامیابی حاصل کر لے گا۔ بہت آسانی سے اپنے استعماری اہداف تک پہنچ جائے گا۔ افغانستان کے اسٹریٹجک جغرافیائی محلِ وقوع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خطے پر اپنا ایجنڈا نافذ کر دے گا۔ تمام ذخائر اور زیرِ زمین معدنیات پر قابض ہو جائے گا۔

7 اکتوبر 2018ء کو امریکی جارحیت کے سترہ سال پورے ہو چکے ہیں۔ امریکا پورے افغانستان پر اپنی مرضی کے مطابق قبضہ کر پایا ہے اور نہ یہاں جہاد کو ختم کیا جاسکا ہے۔ اس کے برعکس جنگ میں امریکا کے ہزاروں فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ اربوں ڈالر خرچ کیے گئے ہیں۔ امریکی اقتصادی طاقت زوال کی جانب مائل ہے۔ حتی کہ اب وہ 2001 امریکا باقی نہیں رہا۔ افغان جنگ کے لیے بلائے گئے جنگی رضاکار ممالک ایک ایک کرکے بھاگ گئے ہیں۔ اب امریکا ہے۔ بہت زیادہ گھبراہٹ کی وجہ سے امریکی شہری افغانستان پر امریکی جارحیت کو حماقت اور غلطی قرار دیتے ہیں۔ امریکی سیاست دان اور ماہرین گزشتہ 17 سالوں میں اس جنگ میں کوئی کامیابی نہ دیکھنے کے باعث پریشان ہیں۔ بے انتہا اخراجات اور ہزاروں فوجیوں کی ہلاکت ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ وہ زیادہ پریشان اور سرگردان ہیں۔

امریکی سینیٹ کے ممبر الیزبتھ ویرین یہ تسلیم کرتا ہے کہ امریکا اس جنگ میں اپنے ہزاروں فوجی دے چکا ہے۔ کھربوں ڈالر کے اخراجات کر چکا ہے۔ جب کہ وہ ہدف حاصل نہیں کر پایا۔ ان کے مطابق "جنگ" مزید بھی جاری رہے، تب بھی امریکا اپنا ہدف حاصل نہیں کر پائے گا۔ انہوں نے امریکی حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ امریکا جنگ کو طول دینے پر اپنی توانائی صرف نہ کرے۔ وہ مزید وقت ضائع کیے بغیر افغانستان سے انخلا پر غور کرے۔ اسی طرح ایک اور امریکی سینیٹر روبن گیلیکو نے بھی کہا ہے کہ افغانستان سے امریکی فوج کے انخلا اور جنگ کے خاتمے کا وقت آن پہنچا ہے۔ انہوں نے امریکا کے عسکری اور سیاسی رہنماؤں کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ طویل جنگ کے خاتمے کے معاملات پر غور کیا جائے۔ کسی تاخیر کے بغیر امریکی فوجیوں کو اپنے گھر واپس لایا جائے۔ اسی طرح ایک اور امریکی سینیٹر سندرز نے بھی جنگ کے غیر ضروری اور ناکام ہونے کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ افغان جنگ نے صرف تھکا دیا ہے۔ دنیا بھی ہمارے ساتھ اس جنگ میں تھک گئی ہے۔ اب یہ جنگ ختم ہونی چاہیے۔ امریکی ٹیکس دہندگان کی رقم مزید اس پر نہ لگائی جائے۔

ایسے حالات میں کہ امریکی سینیٹرز خود افغان جنگ کی ناکامی یا بے مقصدیت کی آواز اٹھا رہے ہیں، چند دن قبل امریکا کے سابق حریف سوویت یونین کے جانشین روس نے بھی امریکا کو خبردار کیا تھا کہ وہ ایک ہاری ہوئی جنگ میں مصروف ہے۔ روسی وزیر خارجہ نے کہا تھا کہ افغانستان میں امریکا جنگ ہار چکا ہے۔ کامیابی کی کوئی امید نہیں ہے۔ ان کے مطابق امریکا دہشت گردی کے خلاف جنگ اور منشیات کی اسمگلنگ روکنے میں ناکام ہے۔ اب اسے یہ جنگ ختم کر دینی چاہیے۔ امریکا نے بھی نوشتہ دیوار پڑھ لیا ہے۔ اسے اپنی کامیابی کی امید نظر نہیں آ رہی۔ وہ صرف بدلہ لینے کے لیے عوام پر بمباری کر رہا ہے۔ بچے، خواتین اور بوڑھے سب کو شہید کر رہا ہے۔ وہ افغان عوام کے وحشیانہ قتل عام سے اپنی شکست کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بھی امریکی زوال کے آخری لمحات ہیں۔ یہ لوگ اس ملک سے شکست خوردہ اور شرمندہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کریں گے۔ انہیں کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ اس حالت کو پہنچنے سے پہلے امریکا کو اپنے سینیٹرز کی چیخ و پکار سن لینی چاہیے۔ ورنہ پھر اسے راستہ سجھائی نہیں دے گا کہ وہ کس طرف نکلے اور کہاں جائے؟ اس لیے بہتر ہے کہ جنگ میں اپنی شکست تسلیم کر لے۔

بلیک واٹر کا جنگ ٹھیکہ

قاری نثار احمد

امریکا کی نجی سکیورٹی کمپنی بلیک واٹر کے سربراہ ایرک پرنس نے وائٹ ہاؤس کو پیشکش کی ہے کہ افغانستان میں جاری جنگ کا ٹھیکہ انہیں دے دیا جائے۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکی فوج اور عوام ایک طویل جنگ سے تھک گئے ہیں۔ ان کی پیشکش کے مطابق بلیک واٹر کے کنٹریکٹرز کو تعینات کیا جائے گا۔ ایرک پرنس نے طلوع نیوز سے گفتگو کرتے ہوئے کہا اگر وائٹ ہاؤس نے ان کی تجویز پر عمل کیا تو وہ چھ ماہ کے دوران افغان جنگ کنٹرول کریں گے۔

ایرک پرنس اور چند دیگر فوجی جرنیلوں نے بلیک واٹر کے نام سے سکیورٹی کمپنی کی بنیاد سن 1997 میں رکھی۔ اس میں بڑی تعداد میں امریکی فوج اور سی آئی اے کے حکام شامل ہیں۔ علاوہ ازیں دنیا کے مختلف ممالک میں بلیک واٹر کے کارندے سرگرم ہیں۔ جب کہ اس کے ساتھ انہی ممالک میں وہاں کے بدمعاش، چور اور جرائم پیشہ عناصر کام کر رہے ہیں۔ افغانستان میں بلیک واٹر کا نیٹ ورک امریکی جارحیت کے ایک سال بعد فعال ہوا۔ سی آئی اے کے مختلف آپریشنز اور کارروائیوں میں اس کے کارندوں نے حصہ لیا۔ جب کہ اوباما کے دور میں امریکا نے بلیک واٹر کے ساتھ 250 ملین ڈالر کا ایک معاہدہ کیا، جس کے تحت امریکا کے وزیر خارجہ اور سی آئی اے مشترکہ طور امریکی منصوبوں اور مراکز کی سکیورٹی کے انتظامات سنبھالنے کے امور انجام دیں گے۔

کہا جاتا ہے اب بھی افغانستان میں بلیک واٹر کے ہزاروں کارندے تعینات ہیں، جو امریکی وزارت خارجہ اور سی آئی اے کی نگرانی میں ظالمانہ کارروائیاں انجام دیتے ہیں۔ 2010 میں امریکی وزارت خارجہ نے تجویز پیش کی کہ افغانستان میں پولیس اور سرحدی ملیشیا کے اہل کاروں کو عسکری تربیت دینے کے لیے بلیک واٹر کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ افغان پولیس اور سرحدی فورسز کو بلیک واٹر کے 2000 غیر ملکی اہل کار تربیت دے رہے تھے۔

بلیک واٹر دنیا میں بدنام زمانہ نیٹ ورک ہے، جس کے کارندوں نے دنیا کے مختلف ممالک میں جو مظالم ڈھائے ہیں، ان وجہ سے وہ دنیا بھر میں بدنام ہے۔ اسی وجہ سے افغانستان میں بھی اس نے اپنی سرگرمیاں خفیہ رکھی ہیں۔ جن ممالک میں بلیک واٹر کے قاتل فعال ہیں، امریکا نے ان ممالک کو بلیک واٹر کے کارندوں کے جرائم اور منفی سرگرمیوں کو عدالت میں چیلنج کرنے اور تحقیقات کرنے سے محروم کر دیا ہے۔ انسانی حقوق کی بین الاقوامی برادری نے اپنی تازہ رپورٹ میں افغانستان اور امریکی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایسے منصوبوں کی روک تھام کریں، تاکہ عام شہریوں کے حقوق پامال نہ ہوں۔

ظاہر ہے عراق کے شہر فلوجہ میں بلیک واٹر کے قاتلوں نے جن جرائم کا ارتکاب کیا، اس کی وجہ سے وہ پوری دنیا میں بدنام ہوئی۔ عراقی لوگ بلیک واٹر

کوانسانی قتل عام کی مشین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔امریکی وزیر خارجہ اور سی آئی اے کی جانب سے بلیک واٹر کے کارندوں کو کرائے کے قاتلوں کے طور پر استعمال کیا جاتاہے۔ بلیک واٹر کے سربراہ ایرک پرنس نے تجویز پیش کی ہے کہ ان کی نجی فضائی فورس 90 طیارے اور 5500 اہل کار یہ جنگ کنٹرول کریں گے۔اس سے امریکا کے 30 ارب ڈالر کے اخراجات کم ہو جائیں گے۔ تجزیہ کاروں کے مطابق ممکن ہے ٹرمپ کے لیے یہ منصوبہ قابل قبول ہو، لیکن امریکی وزیر دفاع میٹس' اور سلامتی کونسل کے سربراہ مک مسٹر' اور کچھ دیگر حکام نے بلیک واٹر کا منصوبہ مسترد کرتے ہوئے کہا کہ اسے افغان جنگ ٹھیکے پر دینا امریکی فوج کی شکست کے مترادف ہے۔ اس سے امریکی فوج کے لیے مزید مشکلات اور چیلنجز پیدا ہو سکتے ہیں۔

ایرک پرنس نے بلیک واٹر کی بُری شہرت کی وجہ سے اس کا نام تبدیل کر کے' زیسر وسیز' رکھاہے۔اب بھی افغانستان کے مختلف صوبوں قندھار، کابل اور ننگرہار میں اس کے ٹھکانے موجود ہیں۔اب تک یہ واضح نہیں ہوا کہ بلیک واٹر کے قاتل افغانستان میں کیا کر رہے ہیں؟ان کے اہداف کیا ہیں؟ میڈیا کے مطابق بلیک واٹر سابق امریکی صدر بش کا قریب گروپ تھا۔ انہوں نے اس کی فعالیت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔اسی وجہ سے بلیک واٹر کے پاس بڑی تعداد میں جنگی جہاز، بکتر بند گاڑیاں اور فوجی ساز وسامان موجود ہے۔ بلیک واٹر کا مرکزی دفتر امریکا کی شمالی ریاست کوریلانیا میں ہے۔بلیک واٹر نے پہلی بار تب شہرت پائی، جب عراقی شہر فلوجہ میں اس کے چار اہل کاروں نے دریائے فرات پر چند عراقی فوجیوں کو لٹکایا اور اسی شہر میں ٹارگٹ کلنگ شروع کی۔

بلیک واٹر کو بش اس لیے بھی مالی تعاون فراہم کرتے تھے کہ وہ دنیا بھر میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے کام کرے۔چوں کہ میڈیا پر یہ چرچا عام ہے کہ بلیک واٹر نے افغان جنگ ٹھیکے پر دینے کی پیشکش کی ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے امریکی فوج کو افغانستان میں مکمل شکست کا سامنا ہے۔ وہ اس شکست کا بدلہ عوام سے لینے کے لیے یہ جنگ بلیک واٹر کے حوالے کرنے پر غور کر رہی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو بلاشبہ یہ افغان عوام کے لیے ایک اَور مصیبت ہو گی۔خون کی ندیاں بہہ جائیں گی۔ہم سمجھتے ہیں اس حربے کے استعمال کے باوجود امریکا ناکام رہے گا۔ وہ اس جنگ میں کبھی فتح حاصل نہیں کر سکتا۔لہذا بہتر ہے کہ امریکا بلاتاخیر افغانستان سے انخلا کا منصوبہ پیش کرے۔افغان حلقوں میں یہ تشویش پائی جاتی ہے کہ پرنس کی یہ نجی فوج احتساب سے بالاتر ہو گی۔ان کے بقول اس اقدام سے بلیک واٹر کے کارندے ویسے ہی مظالم ڈھا سکتے ہیں، جو انہوں نے عراق اور افغانستان میں کیے۔ کابل انتظامیہ کے سربراہ نے ایک بار اس منصوبے کی مخالفت صرف اس لیے کی کہ امریکی فوج کے انخلا سے افغان حکام کو ڈالروں کی فراہمی کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ان کی حکمرانی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ کچھ مبصرین نے بھی بلیک واٹر کو افغان جنگ ٹھیکے پر دینے کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ یہ افغانستان کی قومی خود مختاری کی صریح خلاف ورزی ہے۔رحمت اللہ نبیل نے بھی کہا ہے کہ یہ منصوبہ شہریوں کے مزید غصے کا باعث بنے گا۔ اس سے طالبان کو اپنے لیے لوگ بھرتی کرنے میں مدد ملے گی۔دوسری جانب امریکی حکام بھی کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ جنگ نہیں جیتی جاسکتی۔یہ ایک مہنگی جنگ ہے۔امریکا کو اس سال تقریبا 45 ارب ڈالر صرف کرنا ہوں گے۔

جنرل نکولسن کا مذہبی دباؤ!

سید محمد شریف

کچھ دن قبل میڈیا نے کابل انتظامیہ کے حوالے سے خبر شائع کی کہ افغانستان اور پاکستان کے علماء جاری جنگ کے بارے ایک کانفرنس میں شرکت کریں گے اور اس جنگ کے جواز پر بھی تبادلہ خیال کریں گے۔ جاری جنگ سے کابل انتظامیہ اور میڈیا کا مقصد ظالمانہ امریکی قبضے کے خلاف افغان عوام کی مزاحمت اور جہاد ہے۔ وہ جہاد کو جاری جنگ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ جاری جنگ کے بارے علماء کے نام سے منعقد اجلاسوں اور کانفرنسوں کا مطالبہ افغان عوام کا ہے اور نہ ہی کابل انتظامیہ کے پاس ایسی صلاحیت ہے۔ ایسے اجلاسوں اور کانفرنسوں کی منصوبہ بندی کرنا اور ماحول سازگار بنانا جارحیت پسندوں کا کام ہے۔ وہ مالی مدد فراہم کرتے ہیں اور میڈیا پر پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ افغانستان میں سابق امریکی کمانڈر جنرل نکلسن نے بڑے فخر کے ساتھ کہا تھا کہ ہم طالبان پر فوجی اور سیاسی دباؤ کے علاوہ مذہبی دباؤ بھی بڑھائیں گے۔ انہوں نے واضح طور پر انڈونیشیا کے اجلاس کا حوالہ دیا اور کہا کہ مجاہدین پر مذہبی پریشر بڑھانے کی ایک مثال ہے۔

انڈونیشیا اجلاس کے بعد سعودی عرب اور کابل میں بھی ایسی کانفرنسوں کا اہتمام کیا گیا۔ علماء کے نام سے منعقد کانفرنسوں میں علماء نے اس جنگ پر بحث اور تبادلہ خیال کیا اور نہ ہی کانفرنس کے شرکاء کو اجازت دی گئی کہ وہ اس پر علمی بحث کریں یا کوئی فتوی جاری کریں۔ کابل کے اجلاس میں حکومتی کونسل کی طرف سے تحریری مقالہ شرکاء میں تقسیم کیا گیا۔ وہ مقالہ علماء نے لکھا تھا اور نہ ہی اس میں افغان تنازعے کی بنیادی وجہ کی وضاحت شامل تھی۔ اس میں قابض افواج کی موجودگی، ناجائز اور غیر قانونی قبضے کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا تھا۔ حتی کہ کابل میں منعقد اجلاس میں علماء کو مقالہ پڑھنے کا وقت تک نہیں دیا گیا۔ اجلاس کے بعد کابل انتظامیہ نے میڈیا کو اعلامیہ جاری کیا کہ کابل کی علماء کانفرنس میں 2500 علمائے کرام نے جاری جنگ کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اسلامی اصولوں، بین الاقوامی قوانین، انسانی حقوق اور سماجی انصاف کے پیشِ نظر افغانستان پر امریکی فوج کا قبضہ غیر قانونی اور بلاجواز ہے۔ کابل انتظامیہ کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں کہ وہ جارحیت پسندوں کو سندِ جواز فراہم کرے۔ یہ تمام حربے حملہ آوروں کے ہیں۔ وہ ظالمانہ قبضے کو دوام بخشنے کے لیے کابل انتظامیہ کی فوجی، سیاسی، مالی اور اخلاقی مدد کرتے ہیں۔ کابل انتظامیہ بھی ان کی مدد کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ حملہ آوروں اور کابل حکومت نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

علماء کے نام پر منعقد کانفرنسوں میں افغانستان میں جاری جنگ کی بنیادی وجہ 'استعماری قوتوں کے جابرانہ فوجی قبضے' کے بارے کچھ نہیں کہا گیا۔ اُلٹا اس ظالمانہ قبضے کے خلاف افغان عوام کی جائز مزاحمت کو ناجائز قرار دیا گیا۔ افغان عوام کا جہاد حقیقی علمائے کرام کے فتوی سے جاری ہوا، جو اسلامی نظام کے نفاذ اور ریاستی خودمختاری کے حصول تک جاری رہے گا۔ درباری علماء کے فرمائشی فتوی کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ جب کہ جہاد پر اس فتوی کا منفی بھی ظاہر نہیں ہوگا۔

ان شاءاللہ

سعودیہ قطر سرد جنگ

حسن مومند

قطر کو تین اطرف سے خلیج فارس نے گھیرا ہوا ہے۔ خشکی پر اس کی صرف ایک سرحد سعودی عرب سے ملتی ہے۔ قطر اپنی تمام تر غذائی ضروریات اسی راستے سے برآمد کرتا تھا۔ یہ بہت آسان اور کم لاگت کا راستہ تھا۔ دونوں ممالک کے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے سعودی عرب نے گزشتہ 15 ماہ سے قطر کے خلاف اپنی سرحد بند کر رکھی ہے۔ اس لیے قطر کی مجبوری ہے کہ وہ تمام درآمدات سمندری یا فضائی راستے سے کرے۔ قطر کی سعودی عرب سے 60 کلو میٹر کی سرحد ملتی ہے۔ سعودی عرب یہ سرحد ختم کرکے قطر کا جغرافیہ بدلنا چاہتا ہے۔ قطر کو سزا دینے کے لیے سعودی حکومت نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ قطر کے ساتھ طویل سرحد ختم کرکے اپنی زمین میں تین کلومیٹر تک اندر 60 کلو میٹر طویل اور 200 میٹر وسیع نہر کھودے گا۔ جس سے خشکی کے راستے سے قطر کا دنیا سے رابطہ ختم ہو جائے گا اور وہ ایک جزیرے میں بدل جائے گا۔

کچھ دن قبل سعودی میگزین السبق نے رپورٹ دی تھی کہ ولی عہد محمد بن سلمان چاہتے ہیں کہ قطر کے ساتھ سرحد پر جلد از جلد نہر کھودی جائے اور قطر کو ایک جزیرے میں بدل دیا جائے۔ میگزین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سعودی حکومت چاہتی ہے کہ نہر کو ایٹمی فاضل مواد سے بھر دیا جائے۔ تاکہ آئندہ کے لیے اس زمینی راستے کو آمد و رفت کے قابل بنانے کے تمام امکانات ختم ہو جائیں۔ سعودی میڈیا کا کہنا ہے کہ نہر کھودنے کے اس منصوبے کو"قناۃ السلویٰ"کا نام دیا گیا ہے۔ اس منصوبے پر کام کرنے کے لیے سعودی حکومت کی جانب سے دنیا بھر میں نہر کھودنے والی 5 کمپنیوں کو دعوت دی گئی ہے۔ ان سے مذاکرات ہو چکے ہیں۔ بہت جلد اس کمپنی کا اعلان کیا جائے گا، جسے حکومت یہ ٹھیکہ دینا چاہتی ہے۔ سعودی حکومت کا کہنا ہے کہ اس اسکیم پر 750 ملین ڈالر کی لاگت آئے گی۔ یہ دو سالوں میں مکمل ہو گی۔

گزشتہ سال جون 2017 میں قطر کے ساتھ سعودی عرب اور اس کے اہم اتحادی ممالک مصر، بحرین اور عرب امارت کے تعلقات خراب ہو گئے تھے۔ جس سے بات بہت جلد سفارتی اور تجارتی تعلقات کے خاتمے تک پہنچ گئی۔ سعودی عرب نے قطر کے خلاف اپنا زمینی راستہ بند کر دیا اور تمام فضائی کمپنیوں کو قطر کے فضائی روٹ کے استعمال سے روک دیا۔ قطر کی فضائی کمپنیوں کو اپنی حدود میں آنے سے روک دیا۔ قطر کے شہریوں کے ساتھ ساتھ سعودی عرب نے ان اونٹوں کو بھی اپنی حدود سے باہر بھگا دیا، جو چرنے کے لیے سعودیہ کی حدود میں آجاتے تھے۔ قطر کی فضائی کمپنیاں دنیا بھر میں پہلا مقام رکھتی ہیں۔ وہ قطر کی معیشت کا اہم ذریعہ ہیں۔ سعودی عرب، بحرین اور عرب امارات کے بند ہونے کے بعد قطر فضائی محاصرے کا شکار ہو گیا ہے۔ ایران کے علاوہ تمام فضائی راستے بند ہیں اور مذکورہ تمام ممالک نے سعودی دباؤ کی وجہ سے قطر کا معاشی بائیکاٹ کیا ہے، تاکہ قطر ہمارے تمام مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ قطر نے ان تمام ممالک کے خلاف سخت لہجے کے استعمال اور محاذ آرائی سے احتراز کیا۔ لفظی جنگوں میں وقت ضائع کرنے، اپنے مخالفین کی مخالفت مزید سخت کرنے اور اپنے لیے مزید مسائل پیدا کرنے کی بجائے خاموشی اختیار کی۔ اپنی ساری توجہ اقتصادی مسائل کی بہتری اور اچھے طریقے سے اپنا نظام چلانے کی جانب مرکوز رکھی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مؤقف پر بھی قائم رہا۔ ان کے دباؤ کے مقابلے میں سر نہیں جھکایا۔ اپنے معقول مؤقف کا دفاع کیا اور دنیا بھر میں اپنے حامی بڑھانے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔

چوں کہ قطر کے خلاف یہ تمام اقدامات ایران کے ساتھ اچھے تعلقات کی وجہ سے کیے جا رہے تھے۔ اس لیے ایران نے بھی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے

حریف ممالک کی ناکامی کے لیے فوری کوششیں شروع کر دیں۔ قطر کے ساتھ تعلقات میں مزید وسعت پیدا کی اور ایران کی وزارت خوراک نے ایک کامیاب منصوبے کے مطابق سمندر کے راستے زیادہ سے زیادہ غذائی مواد اور اشیائے ضرورت پہنچانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس لیے سعودیہ اور اس کے اتحادیوں نے جس طرح سوچا تھا، ویسا نہ ہو سکا۔ قطر کو قحط کا سامنا ہوا نہ وہ اقتصادی بحران کا شکار ہوا۔ گزشتہ 15 ماہ میں اردن، عمان اور کویت تینوں ممالک غیر جانب دار رہے اور کویت کے امیر نے ثالث کے طور پر سعودیہ اور قطر کے درمیان مصالحت کی کوشش کی۔ مگر یہ کامیاب نہ ہو سکی، کیوں کہ سعودیہ اپنے مطالبات سے ایک فیصد بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ سعودیہ نے عسکری رد عمل دکھانے کی دھمکی بھی دی ہے۔ قطر سر جھکانے کو تیار نہ ہوا تو سعودی عرب نے قطر کے ساتھ اپنی سرحد ختم کرنے اور اسے جزیرے میں بدلنے کا فیصلہ کیا۔

قطر نے حسب معمول سعودیہ کے حالیہ اعلان کے جواب میں بھی کوئی رد عمل نہیں دکھایا۔ صرف قطر کے چند تجزیہ کاروں اور مبصرین نے اس حوالے سے افسوس کا اظہار کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ قطر جیسے عرب سنی مسلمان ملک کے پڑوسی ملک کے ساتھ تعلقات کیوں خراب ہوئے؟ یہ مخالفت دشمنی میں کیوں بدل گئی اور پھر یہ دشمنی اتنی گہری کیوں ہو گئی؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لیے تھوڑا ماضی کی جانب دیکھتے ہیں۔ قطر گلف کونسل کا رکن ہے۔ گلف کونسل میں صرف وہ ممالک رکنیت رکھتے ہیں، جن کی سرحدیں خلیج فارس سے ملتی ہیں۔ بحرین، عراق، کویت، عمان، قطر، متحدہ عرب امارات اور سعودیہ۔ گلف کونسل 1976 میں قائم ہوئی تھی۔ تب سے تمام ممالک کی خارجہ پالیسی ایک رہی اور خطے کی سطح پر تمام ممالک کے مشترکہ فیصلے ہوتے تھے۔ فطری بات ہے اس میں زیادہ اثر و رسوخ سعودیہ کو حاصل تھا۔ سعودیہ جو کچھ کہتا، گلف کا کوئی رکن اس کی مخالفت نہ کرتا اور اسی کو اس کونسل کے لیے بہتر سمجھا جاتا۔

1995 تک حالیہ قطری امیر شیخ تمیم بن حمد آل ثانی کے دادا شیخ خلیفہ آل ثانی امیر تھے۔ قطر کی پالیسی بھی یہی تھی کہ وہ سعودیہ کے فیصلوں کے ہم آواز رہیں گے۔ کبھی سعودیہ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ 1995 میں شیخ حمد بن خلیفہ آل ثانی نے اپنے والد کو معزول کر دیا اور خود اقتدار پر قابض ہو گئے۔ شیخ حمد نے قطر کی ترقی کے لیے بہت تیزی سے اقدامات کیے۔ ایل این جی گیس کی صنعت کو ملک میں بہت ترقی دی۔ دنیا بھر کی صنعتوں اور بڑی معیشتوں سے اقتصادی و صنعتی معاہدے کیے۔ اہم بات یہ کہ قطر نے اپنی تمام اقتصادی اور خارجہ پالیسی سعودی اثر و رسوخ سے آزاد کر لی۔ قطر نے الجزیرہ نامی آزاد ٹی وی چینل بھی آن ایئر کیا، جو خلیجی ممالک سے متعلق آزادانہ رپورٹنگ کرتا اور حقائق سامنے لاتا ہے۔ جس کے متعلق کئی بار سعودیہ نے اپنی تشویش کا اظہار کیا ہے کہ اس ٹی وی چینل کے ذریعے اس کے داخلی معاملات میں مداخلت کی جا رہی ہے۔ اس راہ سے لوگوں کے امن اور سکون کو خطرات کا سامنا ہے۔ اس لیے قطر کو یہ سلسلہ ختم کرنا ہو گا۔ قطر نے میڈیا کی آزادی کی بات سامنے لائی اور اس اصول کی بنیاد پر ان کے اعتراضات کا جواب دے کر ان کے مطالبے کو غیر قانونی قرار دیا۔

سعودی عرب دیگر خلیجی ممالک، امریکا اور یورپ سب اس بات پر قطر سے ناراض ہیں۔ بقول ان کے قطر تمام دہشت گرد تنظیموں اخوان المسلمون اور حماس سے تعاون کرتا رہا ہے۔ اخوان المسلمین کے کئی رہنما قطر میں پناہ گزین ہیں۔ جب 2013 میں شیخ حمد آل ثانی نے اقتدار کی لگام اپنے بیٹے شیخ تمیم کے حوالے کی تو سعودی عرب سمیت گلف کونسل کے رکن ممالک کو توقع تھی کہ نیا امیر سعودی پالیسی کو اپنائے گا۔ اسی لیے سعودی شاہ عبداللہ نے انہیں ریاض بلایا اور ان سے سختی سے مطالبہ کیا کہ وہ ہر حال میں اپنی پالیسی گلف کونسل کے رکن ممالک کے ساتھ ہم آہنگ رکھیں اور الجزیرہ ٹی وی چینل کے ذریعے ہمسایہ ممالک کے داخلی معاملات میں دخل اندازی سے احتراز کریں۔ قطر کے امیر نے سعودی شاہ کے اس مطالبے کا بظاہر مثبت جواب دیا۔ اس حوالے سے ایک معاہدہ طے پا گیا۔ جب قطر کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو تھوڑے ہی عرصے بعد سعودی عرب نے یہ سمجھ لیا کہ قطر اپنے وعدے پورے کرنے پر تیار نہیں ہے۔ اس لیے 2014 میں قطر کے ساتھ خلیجی ممالک کے اختلافات بہت بڑھ گئے۔ سعودی عرب، بحرین اور متحدہ

عرب امارات نے قطر کے ساتھ اپنے سفارتی تعلقات ختم کر دیے۔ اچھا یہ ہوا کہ اس وقت قطر کی فضائی کمپنیوں پر پابندی نہیں لگی اور کویت کے امیر شیخ صباح قطر سے اچھے تعلقات رکھتے ہیں، درمیان میں آ گئے ۔ان کی کوششوں سے تعلقات واپس بہتر ہوئے۔ اخوان المسلمون کے سربراہان کو ترکی بھیجا گیا۔ امارات کے الاصلاحؔ کے ارکان کو بھی قطر سے نکلنے کا حکم دیا گیا۔

بعدازاں حالات معمول پر آ گئے۔ سعودیہ یا کسی اور ملک نے قطر کے حوالے سے کوئی شکایت یا کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ گزشتہ سال 20 اور 21 مئی 2017 کو سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا تھا۔ اس میں موجود تمام عرب رہنما ایران مخالف سمجھے جا رہے تھے۔ اس اجلاس میں بھی نہ صرف قطر کے امیر شیخ تمیم بن احمد آل ثانی موجود تھے، بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے، جنہیں ڈونلڈ ٹرمپ سے ملاقات کا بھی موقع دیا گیا تھا۔ شیخ تمیم نے نہ تو سعودی شاہ سلمان اور نہ ہی ان کے بیٹے محمد بن سلمان کی پیشانی پر ناراضگی کی کوئی نشانی دیکھی۔ اجلاس کے بعد بھی کوئی حادثہ یا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس اجلاس کے بیس روز بعد اچانک قطر کے ساتھ خلیجی اتحاد کے رکن ممالک کے حالات خراب ہونے کی بات سامنے آئی اور پھر خرابی اس حد تک پہنچی کہ سعودیہ، متحدہ عرب امارات اور مصر سمیت 7 عرب ممالک نے اس سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیے۔ تجارتی لین دین بند ہو گیا۔ سرحدات بند کر دی گئیں۔ ایک دوسرے کے فضائی روٹس کا استعمال بند کر دیا گیا۔ قطر کو اسلامی فوجی اتحاد سے نکال دیا گیا۔ حالانکہ قطر یمن جنگ میں سعودیہ کا اہم اتحادی تھا۔

2014 کے برعکس بات آغاز ہی سے خرابی کی انتہا کو پہنچ گئی۔ سب چیزوں کا اعلان ایک ساتھ کر دیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ سعودیہ قطر کے خلاف دل ہی دل میں بہت غصہ تھا۔ اوباما کے دور میں ایران اور امریکا کے تعلقات بہتر ہونے کی وجہ سے سعودیہ قطر کے خلاف کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ اس لیے اسے خطرہ تھا کہ ایسا نہ ہو قطر ایران کے پلڑے میں نہ چلا جائے۔ جب ٹرمپ کے دورے سے سعودیہ نے دیکھا کہ امریکا ایران اور قطر کے خلاف اس کی سائیڈ پر ہے تو اس نے سکھ کا سانس لیا۔ جس طرح کسی کے خلاف اعلان جنگ کیا جاتا ہے، راتوں رات بلا کسی اطلاع قطر کے خلاف فیصلے کا اعلان کر دیا۔ اسی رات اسے نافذ بھی کر دیا۔ تقریبا تمام تجزیہ کاروں کے مطابق بات ٹرمپ کے دورہ سعودیہ سے بگڑی ہے۔ جب ٹرمپ نے ریاض میں بہت واضح طور پر ایران کو دہشت گردی کو بڑھاوا دینے والا ملک قرار دیا اور ایران کے خلاف سعودی پالیسی کی تائید کی تو یہ سعودیہ کو اس بات کا واضح پیغام تھا کہ اسے قطر کے خلاف اقدام کرنا چاہیے۔ کیوں کہ قطر ایران سے اچھے روابط رکھتا ہے۔ چناں چہ سعودیہ نے فیصلہ کیا کہ اپنے ایک اتحادی کو بھی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ایران کے حوالے سے سعودیہ کی پالیسی کی مخالفت کرے۔ سعودیہ نے صراحت سے کہا کہ قطر ایران کے ساتھ دوستی کر کے دہشت گردی کی مدد کر رہا ہے۔ سعودیہ کے اس اقدام کے بعد صدر ٹرمپ نے جو بیانات دیے، وہ اسی بات کی تائید ہیں۔ ٹرمپ نے کہا کہ یہ اس کے دورہ سعودیہ کے ثمرات ہیں کہ وہاں دہشت گردی کی مدد کرنے والے ممالک کے خلاف کچھ اقدامات کا ذکر ہوا ہے۔ اسرائیل نے بھی قطر کے ساتھ سعودیہ اور دیگر عرب ممالک کے فیصلے کی تعریف کی ہے۔ کہا ہے کہ اب دہشت گردی کے خلاف ایک بڑا اتحاد قائم کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اسرائیل بھی اس اتحاد کا حصہ بن سکتا ہے۔ ایک اور بیان میں اسرائیلی وزیر دفاع لیبر مین نے بھی کہا کہ قطر دہشت گردوں کی حمایت کرتا ہے۔

'اختلاف پیدا کرو اور لڑاؤ' یہ امریکا کی پرانی پالیسی ہے۔ وہ اسے عراق ایران جنگ کے دور سے بروئے کار لا رہا ہے۔ شام اور عراق کی خانہ جنگی اور یمن جنگ اسی پالیسی کا تسلسل ہیں۔ جس کہ وجہ سے شیعہ سنی دشمنی کی بہت بڑی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ شاید یہ آگ مشرق وسطی کے بہت بڑے حصے کو جلا دے گی۔ اب امریکا سنی مسلمانوں کو بھی تقسیم کر رہا ہے۔ اس سے عرب ممالک میں بہت بڑا انتشار پھیلے گا۔ جس سے یہ خطہ بہت کمزور اور بدامنی کا شکار ہو جائے گا۔ پھر عرب ممالک پر مسلط بادشاہوں اور شیخوں کی حکومتیں بھی باقی نہیں رہیں گی۔ اس لیے قطر اور سعودیہ دونوں کو حالات کی نزاکت کا ادراک کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کے اہم ممالک کو ثالثی کا موقع دیں۔ مسئلے کو مذاکرات کے ذریعے حل کریں۔ ورنہ پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے، مگر وقت گزر چکا ہوگا۔

دنیا ٹرمپ پر ہنس پڑی!

خبیر احمد محمدی

رواں سال 25 ستمبر کو اقوام متحدہ کے سربراہی اجلاس میں امریکی صدر ٹرمپ نے اپنی تقریر میں دعوی کیا کہ ان کی حکمرانی میں امریکا مضبوط ہوا ہے اور اُس نے قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ ٹرمپ کے جھوٹے دعوے پر اجلاس کے شرکاء ہنس پڑے اور ان کی ہنسی مذاق نے ٹرمپ کو مجبور کیا کہ انہوں نے اپنی گفتگو کا سلسلہ روک دیا۔ نتیجۃً وہ خود بھی ہنس پڑے۔ اجلاس کے شرکاء نے ٹرمپ پر واضح کیا کہ ان کی آمد کے بعد امریکا زوال کی طرف جا رہا ہے۔ کوئی ایسی قابل ذکر کامیابی نہیں ملی، جس پر ٹرمپ فخر کر سکیں۔

اجلاس میں برازیل کے صدر کے خطاب کے بعد امریکی صدر ٹرمپ کے خطاب کی باری تھی۔ تاہم ٹرمپ دیر سے آئے۔ اس لیے اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے ٹرمپ کا انتظار نہیں کیا اور برازیل کے صدر کے خطاب کے بعد دیگر مقررین کو موقع دیا۔ جب ٹرمپ اجلاس میں پہنچے تو ان کی باری پر کوئی اور خطاب کر رہا تھا، جس پر ٹرمپ آگ بگولہ ہو گئے اور اس عمل کو پروٹوکول کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے توہین آمیز رویے پر سخت برہمی کا اظہار کیا۔

اقوام متحدہ کے سربراہی اجلاس میں ٹرمپ کی تقریر پر اجلاس کے شرکاء کی جانب سے ہنسی مذاق پر سیاسی تجزیہ کاروں اور میڈیا نے مختلف ردعمل ظاہر کیا ہے۔ امریکی خبر رساں ادارے پولیٹک نے لکھا کہ ٹرمپ نے اپنی تقریر کے دوران کوشش کی کہ وہ فوجی اور تجارتی محاذ پر چند ممالک کے خلاف اقدامات کا بھرپور دفاع کریں۔ خاص طور پر اپنے حریفوں کو بھی نشانہ بنائیں۔ ٹرمپ نے یہ بھی کوشش کی کہ وہ کچھ ممالک کے خلاف جو اقدامات کر رہے ہیں، وہ امریکا کے بہتر مفاد میں ہیں۔

خبر رساں ادارے کے مطابق ٹرمپ کی تقریر پر اجلاس کے شرکاء کی ہنسی اور اس کے تمسخر اڑانے نے ثابت کیا کہ ٹرمپ دنیا میں کتنے مقبول ہیں۔ اہم اجلاس کے شرکاء ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ خبر رساں ادارے کے مطابق یہ صرف ٹرمپ کی جگ ہنسائی نہیں، بلکہ یہ امریکا کی توہین اور اس کو تھپڑ مارنے کے مترادف ہے۔

نیویارک ٹائمز نے لکھا کہ اقوام متحدہ کے سربراہی اجلاس میں ٹرمپ کی تقریر پر اجلاس کے شرکاء کی ہنسی مذاق نے امریکی سلطنت اور حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔ ٹائمز نے مزید کہا ٹرمپ انتخابی مہم کے دوران سابق صدر اوباما کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ امریکا کا رعب اور دبدبہ ختم ہو گیا ہے۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے مطابق امریکا کو ایک ایسے صدر کی ضرورت ہے، لوگ جن کی باتوں کا مذاق اڑانے کی جرات نہ کریں۔ یہ اس صورت ممکن ہے کہ ٹرمپ خود صدر منتخب ہو جائیں۔

نیویارک ٹائمز نے لکھا ہے کہ امریکی تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ ایک اہم اور بین الاقوامی اجلاس میں امریکا کا مذاق اڑایا گیا ہو۔ ٹرمپ کی تقریر پر اجلاس کے شرکاء نے ہنس کر امریکا کو شرمندہ کیا ہے۔

’ایسوسی ایٹڈ پریس‘ نے ٹرمپ کی تقریر پر ڈرامائی انداز میں کہا کہ مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی، بہرحال کوئی بات نہیں ہے۔ خبر رساں ادارے کے مطابق جب ٹرمپ نے کہا کہ ’کوئی بات نہیں‘ یہ سب سے زیادہ توہین آمیز جملہ ہے۔ کیوں کہ عالمی رہنماؤں کی جانب سے امریکا جیسے ملک کے صدر کی توہین سمجھ سے بالاتر ہے۔ انہوں نے ٹرمپ کے مقابلے میں کھڑے ہو کر انہیں تاریخی سبق سکھایا اور یہ یہ واضح کیا کہ اب امریکا وہ نہیں رہا کہ دنیا اس کی فوجی اور سیاسی دھمکیوں سے ڈرتی رہے۔

جی ہاں! اگر کوئی بات نہیں تو پھر کس دلیل کی بنیاد پر دنیا کے اہم رہنماؤں نے سفارتی آداب کو پاؤں تلے روندتے ہوئے ایک حساس اور اہم اجلاس میں امریکا جیسے ملک کے صدر کا مذاق اڑایا؟ یہ سوالیہ نشان ہے۔

افغان انتخابات

عابد علی

غاصب قوتیں ایک مرتبہ پھر انتخابات کے ذریعے افغانستان کی صورت حال کو ایک نیا رخ دینا چاہتی ہیں۔ گزشتہ حکومت بالکل اسی طرح انتخابات کے جعلی ڈرامے کے تحت جان کیری کی کوششوں سے وجود میں آئی تھی۔ اس کی کوئی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ یہ واحد مثال ہے، جس میں ایک ملک کے اقتدار کی باگ دوڑ تین افراد کے سپرد کی گئی ہو۔ صدر، نائب صدر اور چیف ایگزیکٹو میں سے ہر ایک اپنی الگ حکومت رکھتا تھا۔ اس مرتبہ انتخابات کے نام پر جو گھناؤنا کھیل کھیلا گیا، وہ ماضی کی نسبت زیادہ بھیانک اور باعث شرم ہے۔ اشرف غنی انتخابات بارے ایک بیان دیتے ہیں، لیکن عملی طور پر ایسا کچھ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ اس لیے وہ اپنا بیان واپس لے لیتے ہیں۔ مغربی قوتیں نام نہاد انتخابات کے ذریعے ایک اور غلام حکومت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہیں۔

اشرف غنی انتظامیہ کا قیام ہی دراصل ان مغربی قوتوں کے نام پر ایک دھبہ ہے۔ اس مرتبہ ہونے والے انتخابات ماضی کی نسبت زیادہ دھوکہ دہی اور امریکی اثر و رسوخ کے زیرسایہ تھے۔ اس بات کی تصدیق امریکی سفیر نے خود کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ’انتخابی امور کی نگرانی کے لیے ہمارے صرف 20 مشیر کام کررہے ہیں۔‘ یہ بیان بذات خود اس بات کی دلیل ہے کہ امریکا ان انتخابات کے ذریعے صرف اپنے مہروں کو مسلط کرنا چاہتا ہے۔ سترہ سال سے یہ نام نہاد جمہوریے افغانستان میں جعلی انتخابات کے ذریعے اقتدار حاصل کر لیتے ہیں۔ اشرف غنی کی کٹھ پتلی حکومت کا ماضی دیکھا جائے تو معلوم ہوگا یہ ایک ایسی حکومت تھی، جس کا پورا عرصہ اقتدار باہمی اختلافات اور ایک دوسرے کی راہ میں روڑے اٹکانے میں گزرا ہے۔ اب چوں کہ آدھے سے زیادہ افغانستان طالبان کے کنٹرول میں ہے اور آئے دن ان علاقوں پر طالبان کی گرفت مضبوط اور زیر کنٹرول علاقوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے تو ایسے میں یہاں ہونے والے الیکشن کو کس طرح الیکشن کا نام دیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ دشمن کے زیر کنٹرول علاقوں میں بھی طالبان نے لوگوں کو انتخابی مہم میں شرکت نہ کرنے کی اپیل کی تھی۔ عملی طور پر انتخابات نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب کہ دوسری جانب میڈیا کے ذریعے دنیا کو یہ باور کرایا گیا کہ گویا پورے افغانستان میں صاف شفاف الیکشن ہوئے ہیں۔

ایک جانب یہاں موجود امریکی جارحیت پسند یہ کہتے ہیں کہ انتخابات افغان عوام کا ایک پروجیکٹ ہے، لیکن دوسری جانب یورپی یونین کے سفیر ’میادون‘ نے کہا کہ میں حالیہ انتخابات کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیوں کہ انتخابات کی راہ میں سیکورٹی صورت حال سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی عوامل ہیں، جو انتخابی ڈرامے کو مشتبہ بنا رہی ہیں۔ افغان الیکشن کمیشن نے انتخابات کے لیے انتخابی عملے کی مد میں 2 لاکھ افراد کو کارڈ جاری کیے ہیں۔ یعنی ووٹرز سے زیادہ ان کا عملہ تھا۔ سیاسی مبصرین اور مختلف سروے رپورٹس کے مطابق دارلحکومت کابل جیسے علاقے میں بھی 60 فیصد سے زیادہ لوگ انتخابات کو فراڈ قرار دے رہے ہیں۔ جب کہ بقیہ 40 فیصد غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہیں۔ جب کہ کابل میں صورت حال ایسی دگرگوں ہے تو باقی شہروں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

افغانستان میں امریکی جارحیت پسندوں کی آئے روز وحشیانہ بمباریوں کے بارے بین الاقوامی تنظیموں کی خاموشی سمجھ میں آتی ہے، لیکن انتخابات کے نام پر ہونے والے فراڈ، دھوکے اور دھاندلی کے بارے ان تنظیموں کی خاموشی حیران کن ہے۔ ایسے لگتا ہے مذکورہ بین الاقوامی تنظیموں کو یہ علم ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کر رہیں۔ ورنہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ ان نام نہاد انتخابات کے بارے سخت رد عمل کا اظہار کرتیں۔

امریکا زبان کنٹرول کرے

ابوظہیر

12 اکتوبر 2018 کو زلمی خلیل زاد نے قطر کے دارالحکومت دوحا میں امارت اسلامیہ افغانستان کے سیاسی دفتر کے نمائندوں سے ملاقات کی۔ یہ گزشتہ چند ماہ میں امارت اسلامیہ کے سیاسی نمائندوں اور سفارت کاروں سے امریکا کے اعلی سطحی وفد کی دوسری ملاقات تھی۔ اس سے قبل وزارت خارجہ کی سیکرٹری ایلس ویلز نے بھی دوحا کا دورہ کیا اور امارت اسلامیہ کے نمائندوں سے ملاقات کی تھی۔ یاد رہے امارت اسلامیہ نے امریکی جارحیت سے قبل امریکی حکومت کو دعوت دی تھی کہ جنگ کی دھمکیوں کے بجائے مسائل کے حل کے لیے مذاکرات کی میز پر آئیں۔ ہم مسائل کے حل کے لیے بات چیت کو تیار ہیں۔ افغانستان پر جارحیت کر کے تاریخی اور تلخ ترین جرم کے ارتکاب سے بچیں۔

مگر امریکا اپنی طاقت کے نشے میں مست تھا۔ اس نے غرور و تکبر سے امارت اسلامیہ کی جانب سے مذاکرات کی پیش کش مسترد کر دی اور جنگ و جدل کا راستہ اختیار کیا۔ 7 اکتوبر کو تمام عالمی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے افغانستان پر کھلی جارحیت کر دی۔ اکتوبر میں امریکی جارحیت کو 17 سال پورے ہو چکے ہیں۔ یہاں امریکا کے ہزاروں فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں۔ اربوں ڈالر خرچ کیے گئے ہیں۔ لاکھوں مظلوم افغان شہری شہید اور زخمی ہو چکے ہیں، البتہ امریکا کو اب تک کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ سترہ سالہ جارحیت کے بعد اب امریکی حکام اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ افغانستان میں ان کی ساری محنتیں عبث ہیں۔ ان کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اگرچہ مذاکرات کے حوالے سے امریکا کی جانب سے کوئی یقینی اور قابل اطمینان مؤقف اور قابل اعتماد میکانزم سامنے نہیں آیا، مگر یہ نفسیاتی کوششیں، نقل و حرکت اور ملاقاتیں من جملہ یہ واضح کرتی ہیں کہ امریکا پوری طرح اپنی کامیابی سے مایوس ہو گیا ہے۔ وہ اب نہیں چاہتا کہ طویل عرصے تک اپنی فوج یہاں مصروف رکھے۔ اسی طرح واضح ہوتا ہے کہ امریکا مسلسل سترہ سال تک مار کھانے کے بعد پہلی بار افغانستان میں حقائق کا ادراک کر رہا ہے۔ جو اتحاد دہشت گردی کے خلاف جنگ کے لیے بنایا گیا تھا، وہ خوش قسمتی سے افغانوں کے ہاتھوں منتشر ہو گیا۔ رکن ممالک اس سے نکل چکے ہیں۔

سیاسی ماہرین کے مطابق اب بھی جنگ ختم کرنے کی چابی امریکا کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشک و شبہ اگر وہ چاہے تو ختم کر سکتا ہے۔ مگر نمائشی ملاقاتوں، اجلاسوں اور دوروں کے بجائے صلح کے لیے اعتماد کی فضا قائم کرے۔ اس کے لیے عملی اقدامات کرے۔ افغانستان سے فوجی انخلا کے لیے افغان عوام اور دنیا کو اعتماد دلادے۔ افغانستان میں حقیقی امن تب قائم ہوگا، جب امریکا یہاں سے نکل جائے گا۔ اسی طرح افغانستان کے پڑوسی ممالک میں بھی بدامنی تب ختم ہوگی، جب امریکا اور نیٹو کا افغانستان سے انخلا مکمل ہوگا۔ اس لیے چاہیے کہ افغانستان کے پڑوسی ممالک بھی امریکا پر دباؤ ڈالیں کہ انخلا کے معاملے میں تاخیر سے کام نہ لے۔ جتنا جلد بیرونی فوجی یہاں سے نکلیں گی، اتنی ہی جلد افغانستان اور خطے پر اس کے مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔

اگر بالفرض امریکا امن کے لیے مناسب ماحول اور اعتماد کی فضا قائم کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری کا ادراک نہیں کرتا اور خصوصاً انخلا پر تیار نہیں ہوتا تو پھر یہ نمائشی ملاقاتیں اور دورے بھی کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ بلاشک و شبہ وہ وقت آ پہنچا ہے کہ امریکا جنگ کی زبان میں بات کرنا چھوڑ دے۔ اس طریقے سے اپنے منصوبوں کی تکمیل کی کوششیں چھوڑ دے۔ اگر امریکا طاقت کے بل بوتے کامیابی حاصل کر سکتا تو گزشتہ سترہ سالوں میں کامیاب ہو جاتا۔ امریکا کی نجات اسی میں ہے کہ وہ مزید طاقت و جبر کی ناکام اسٹریٹیجی ختم کر دے۔ جنگ سے دست بردار ہو جائے۔

جہادی کارناموں کا دن

معین احمد معین

29 اکتوبر 1996 تاریخ کا ایک یادگار دن ہے۔ طالبان نے اسی روز دارالحکومت کابل کو بھی ملک کے دیگر حصوں کی طرح شر و فساد سے پاک کر دیا تھا۔ یہ ہماری تاریخ کے ان ایام میں سے ہے، جس دن روس کے خلاف چودہ سالہ جہاد کی ادھوری تمناؤں کی تکمیل ہوئی تھی۔ اس لیے کابل کی فتح کے ساتھ ہی احکام شریعت کا نفاذ اور شہر سے دہشت گرد تنظیموں کا خاتمہ ہوگیا۔ شریعت کے نفاذ کے لیے جو پہلا اقدام کیا گیا، وہ قاتل نجیب اللہ کو افغانستان کے ہزاروں مظلوم شہداء کے قصاص میں اپنی کیفرِ کردار تک پہنچانا تھا۔

کمیونسٹ انتظامیہ کے سربراہ کے طور پر نجیب اللہ کو قصاصاً قتل کر کے عبرت کے لیے اس کا جسم آریانا چوک پر لٹکایا گیا۔ اس سے مظلوم شہداء کے خاندان والوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہنچی تھی۔ یہ غیروں کے لیے ایک عبرت کا درس بن تھا۔ اگرچہ ملحد نجیب اللہ کے حامی اور کمیونسٹوں کے بقایاجات کابل کی فتح کے دن نجیب اللہ کے قتل کو انسانی حقوق یا عدالتی اصولوں کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نجیب اللہ کا قتل کوئی عام مسئلہ نہیں تھا۔ یہ شرعی قصاص کا نفاذ تھا، جو کابل میں مجاہدین کی آمد کے دن ہی ہونا چاہیے تھا۔

اگرچہ یہ شرعی قصاص تنظیمی جنگجوؤں کی باہمی کی جنگوں اور فساد کی وجہ سے چار سال تک مؤخر رہا۔ اس تاخیر کی وجہ کابل میں شرعی انتظامیہ کا موجود نہ ہونا تھا۔ طالبان نے کابل میں داخلے اور نجیب اللہ کے قصاص کے ساتھ شہداء کے خاندانوں کو یہ پیغام دیا کہ ان کی مزاحمت کا اصل ہدف قرآن کی حاکمیت کا نفاذ اور شرعی حدود کا نفاذ ہے۔ اگرچہ عالم کفری اس کی مخالفت کرتا ہے۔ دوسرا اقدام طالبان نے کابل کی فتح کے ساتھ یہ کیا کہ شہر میں امن کا قیام اور ان شدید جنگی حالات میں ہر طرح کی بدنظمی اور انتشار کا خاتمہ تھا۔ یہ کوئی آسان بات نہ تھی۔ اگر اس تاریخی واقعے کو انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو بلاشک و شبہ یہ طالبان کی شرعی حاکمیت کا اعجاز ہے کہ عدم وسائل اور کم وقت میں ایسا کچھ کیا کہ امریکا اور نیٹو تمام بین الاقوامی سوسائٹی کی حمایت کے باوجود 18 سال گزرنے کے باوجود ایسا امن قائم نہیں کر سکے۔

طالبان کے ہاتھوں کابل کی فتح مجموعی طور پر اسلام کے اولین مجاہدوں کی فتوحات کے بعد وہ کارنامہ ہے، جس نے افغان عوام کے لیے امن و تحفظ کے ساتھ شرعی حدود کے نفاذ کی خوشخبری بھی دی۔ مغرب پرست اور جہاد کے مثبت اثرات کے منکر کتاب ساز کوشش کرتے ہیں کہ اپنی مذموم تحریروں میں اس قابل فخر دن کی یادوں کو سادہ دن باور کرائیں۔ جہادی تحریر نگاروں کو کوشش کرنا چاہیے کہ اس تاریخی دن کو اپنی تحریروں میں واضح کریں۔ اس کے کارنامے بیان کریں۔

افغانستان اکتوبر 2018 میں

احمد فارسی

نوٹ: یہ رپورٹ صرف ان واقعات و نقصانات پر مشتمل ہے، جن کا دشمن نے بھی اعتراف کیا ہے۔ مزید اعداد و شمار کے لیے امارت اسلامیہ کی آفیشل ویب سائٹ ملاحظہ فرمائیں۔

7 اکتوبر 2018 کو افغانستان پر امریکی قبضے کے 17 سال مکمل ہو گئے ہیں۔ اکتوبر میں بھی متعدد قابض فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے۔ اس ماہ دو اہم واقعات میں مجاہدین نے دشمن کے اہم ارکان عبدالجبار قہرمان اور جنرل عبدالرزاق کو ہلاک کر دیا۔ اس ماہ کے دوران کابل انتظامیہ کے ناکام ترین جعلی انتخابات بھی ہوئے۔ ان واقعات کی تفصیلات اور دیگر اہم واقعات درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

قابض فوج کا جانی نقصان:

3 اکتوبر کو امارت اسلامیہ نے اعلان کیا کہ گزشتہ رات سڑک کنارے نصب بم دھماکے میں پانچ قابض فوجی ہلاک ہوئے۔ 17 اکتوبر کو ایک رابطہ کار مجاہد نے ہلمند کے ضلع سنگین میں فائرنگ کر کے ایک نیٹو فوجی اور ایک افغان کمانڈو کو ہلاک کر دیا۔ اسی دن صوبہ پروان کے ضلع بگرام میں مجاہدین نے قابض فوجیوں کے کانوائے پر حملہ کر دیا۔ اس میں 6 حملہ آور ہلاک ہوگئے۔

18 اکتوبر کو مشرقی صوبے ننگرہار میں ایک رابطہ کار مجاہد نے ایک امریکی کمانڈر سمیت متعدد قابض اہل کاروں کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔ 22 اکتوبر کو مجاہدین نے صوبہ لوگر کے ضلع خروار میں دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔ اس میں سوار تمام اہل کار ہلاک ہوگئے۔ اسی دن ایک رابطہ کار مجاہد نے صوبہ ہرات میں امریکی فوجیوں پر حملہ کیا، جس میں متعدد اہل کار ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ 27 اکتوبر کو مجاہدین نے صوبہ میدان وردگ کے ضلع میدان شہر میں قابض فوج کے اڈے پر حملہ کیا، جس میں متعدد اہل کار ہلاک اور زخمی ہوگئے۔ ان تمام واقعات میں دشمن نے اکتوبر میں صرف دو فوجیوں کی ہلاکت کا اعتراف کیا ہے۔ جب کہ 2018 میں دشمن کے اعتراف کے مطابق صرف 12 فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔ تاہم حقیقی اعداد و شمار اس سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

اجرتی فورسز کا جانی نقصان:

کابل انتظامیہ کی صفوں میں ہلاکتوں کی تعداد عروج پر پہنچ گئی ہے۔ اس کے صحیح اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں 2 اکتوبر کو ہلمند کے ضلع ناد علی میں مجاہدین کے حملے میں ایک کمانڈر ہلاک ہوگیا۔ 2 اکتوبر کو اسی ضلع میں ایک کمانڈر پانچ اہل کاروں سمیت ہلاک ہوگیا۔ اسی دن ہلمند کے حکام نے خبر دی کہ صوبائی دارالحکومت میں اسپیشل فورس کے کمانڈر اپنے دو محافظوں سمیت ہلاک ہوگئے ہیں۔ اگلے روز مجاہدین کے گوریلا حملے میں کابل کے بگرام ہوائی اڈے میں ایک پائلٹ ہلاک ہوگیا۔ 7 اکتوبر کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع سید آباد فتح ہوا۔ اس میں ضلعی پولیس سربراہ بھی ہلاک ہوا۔ 9 اکتوبر کو ہلمند کے دارالحکومت میں پارلیمنٹ کے رکن عبدالجبار قہرمان مارا گیا۔ 14 اکتوبر کو زابل کے ضلع میزان میں سکیورٹی کمانڈر کو مجاہدین نے ایک حملے میں ہلاک کر دیا۔

16 اکتوبر کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ صوبہ سمنگان کے ضلع درہ صوف کے پولیس سربراہ اور اس کا نائب قتل کر دیا گیا۔ 18 اکتوبر کو قندھار میں ایک رابطہ کار مجاہد نے جنرل عبدالرازق کو ہلاک کر دیا۔ اس نے ہزاروں نہتے شہریوں کو قتل کیا تھا۔ 30 اکتوبر کو صوبہ غزنی کے ضلع قرہ باغ کے سابق کمانڈر زیادہ شراب پینے سے ہلاک ہوگیا۔ اگلے روز سمنگان کے ضلع درہ صوف میں ایک ظالم کمانڈر مارا گیا۔ 31 اکتوبر کو مجاہدین نے فراہ میں ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔ اس میں ہرات کے کمانڈر، ایک رکن پارلیمنٹ سمیت 25 سینئر حکام اور فوجی ہلاک ہوئے۔

دشمن کا شہریوں پر تشدد:

سویلین تحفظ اور انصاف کے نام سے ایک تنظیم نے 2 اکتوبر کو ماہانہ رپورٹ شائع کی، جس کے مطابق ستمبر میں امریکی اور افغان فورسز کے حملوں میں کم از کم 103 شہری شہید ہوئے۔ امارت اسلامیہ کی جانب سے شہری ہلاکتوں کی روک تھام کے لیے قائم کمیشن نے 6 اکتوبر کو اعلامیہ نشر کیا کہ گزشتہ ماہ 235 عام شہری شہید ہوئے ہیں۔ 8 اکتوبر کو فوجی تجزیہ کار جنرل عتیق اللہ امیر خیل نے شمشاد ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ افغان فوجی جان بوجھ کر شہریوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ غلطی ایک یا دو بار ہوتی ہے۔ وہ کئی سالوں سے دانستہ شہریوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ 2

اکتوبر کو لغمان کے صوبائی دارالحکومت میں نیشنل آرمی کے ہیلی کاپٹروں نے ایک مسجد پر بمباری کی، جس میں لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ نتیجۃً 12 نمازی شہید اور زخمی ہوگئے۔ 6 اکتوبر کو پکتیا کے ضلع گردہ چیڑی میں کمپاؤنڈ کے اہل کاروں نے طالبان کے ساتھ جھڑپوں کے بعد شہری آبادی پر گولہ باری کی۔ اس میں 30 شہری شہید اور زخمی ہوئے۔

11 اکتوبر کو افغان فورسز نے لوگر کے ضلع برکی برک میں شہری آبادی پر راکٹ فائر کیے، جس میں خواتین اور بچوں سمیت 12 افراد شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی طرح ہلمند کے ضلع نادعلی میں قابض فوج کی بمباری میں 12 افراد شہید ہوئے۔ مزید تفصیل الامارہ ویب سائٹ میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

الخندق آپریشن:

الخندق آپریشن کے تحت ملک بھر میں مجاہدین نے دشمن پر سیکڑوں حملے کیے۔ اس سلسلے میں 7 اکتوبر کو میدان وردگ کے ضلع سید آباد فتح ہوا۔ 13 اکتوبر کو پکتیکا کے ضلع خوشامند بھی فتح ہوگیا۔ اگلے روز غزنی کا ضلع شلگر فتح ہوا۔ 15 اکتوبر کو غزنی کے ضلع آب بند فتح ہوگیا۔ 22 اکتوبر کو بغلان کے ضلع پلخمری میں دشمن کا ایک بیس فتح ہوا۔ اسی روز لوگر کے ضلع خروار میں مجاہدین نے دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا۔ 27 اکتوبر کو میدان وردگ کے ضلع میدان شہر میں قابض فوج کے فوجی اڈے پر مجاہدین نے حملہ کیا، جس میں کئی اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ 31 اکتوبر کو فراہ میں مجاہدین نے دشمن کا ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا، جس میں 25 اہل کار ہلاک ہوئے۔

نمائشی انتخابات:

یکم اکتوبر کو پارلیمنٹ ارکان نے کہا کہ کابل میں کچھ غیر ملکی سفارت خانوں نے جعلی انتخابات میں اپنے من پسند لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کی ہے۔ امارت اسلامیہ نے 8 اکتوبر کو اعلامیہ جاری کیا کہ نام نہاد انتخابات کابل انتظامیہ کو قانونی جواز فراہم کرنے اور قابض فوج کی موجودگی کو برقرار رکھنے کے لیے امریکی منصوبہ ہیں۔ عوام نمائشی انتخابات میں حصہ نہ لیں۔ پولنگ اسٹیشنز سے دور رہیں۔ مجاہدین ان اسٹیشنز پر حملے کریں گے۔ 9 اکتوبر کو امریکی سفارت خانے نے اعتراف کیا کہ کم از کم 20 امریکی مشیروں کو افغانستان کے انتخابات میں شامل کیا گیا ہے۔ 20 اکتوبر کو جعلی انتخابات پر مجاہدین نے ملک بھر میں 400 سے زائد حملے کیے۔ اس کے علاوہ جعلی انتخابات میں دھاندلی اور دیگر مسائل بھی پیدا ہوئے۔ انتخابات کے دن سیکڑوں پولنگ اسٹیشنز کو مجاہدین نے بند کر دیا۔ رپورٹس کے مطابق ٹرن آؤٹ ایک 50٪ سے کم تھا۔ مبصرین، امیدواروں، سیاسی جماعتوں اور آزاد اداروں نے انتخابات کو ناکام قرار دیتے ہوئے مسترد کر دیا۔

دوستانہ بمباری:

ماضی میں کئی بار امریکی فوج نے افغان فورسز پر بمباری کی ہے۔ اس سلسلے میں یکم اکتوبر کو میڈیا نے خبر شائع کی کہ ہلمند کے ضلع نادعلی میں امریکی ڈرون طیاروں نے افغان اہل کاروں پر دوستانہ بمباری کی، جس میں 20 افغان اہل کار ہلاک ہوگئے۔

کابل انتظامیہ کے اختلافات:

اگرچہ کابل انتظامیہ میں شروع سے اختلافات چل رہے ہیں۔ مگر حالیہ دنوں یہ اختلافات شدت اختیار کر گئے ہیں۔ اشرف غنی کے مشیر جنرل جرات نے استعفی دے دیا ہے۔ اس ماہ ہلمند، غور اور سرپل صوبوں میں دشمن کے درمیان باہمی جھڑپوں میں متعدد اہل کار ہلاک اور زخمی ہوئے۔ 17 اکتوبر کو کابل انتظامیہ کے وزیر خارجہ معین حکمت کرزئی نے اندرونی اختلافات کی وجہ سے استعفی دے دیا۔ اس ماہ کے آخر میں سلامتی کونسل کے سربراہ بھی مستعفی ہوگئے۔

پڑوسی ملکوں کی جاسوسی:

اگرچہ 17 سالوں سے کابل انتظامیہ مجاہدین کے خلاف منفی پروپیگنڈا کر رہی ہے اور ہمسایہ ممالک کے تعاون کا الزام لگا رہی ہے، تاہم 9 اکتوبر کو افغان فوج کے یونٹ 201 کے دو فوجیوں کو عدالت نے پاکستان کے لیے مخبری کرنے کے جرم پر سزا سنائی۔

دشمن کی باہمی بداعتمادی:

کابل انتظامیہ کی صفوں میں سرایت کرنے والے رابطہ کار مجاہدین کی جانب سے قابض فوج اور کابل انتظامیہ کے اعلی حکام پر پے در پے حملوں نے ان کے درمیان عدم اعتماد کی فضا پیدا کر دی ہے۔ 27 اکتوبر کو نیٹو نے اعلان کیا کہ آئندہ افغان فوجیوں کے ساتھ غیر ملکی فوجی براہ براست تعلق نہیں رکھیں گے۔ ایمیل اور انٹرنیٹ کے ذریعے رابطہ کیا جائے گا۔ اسی روز واشنگٹن پوسٹ نے لکھا کہ افغان فورسز کی صفوں میں گھسنے والے طالبان کے حملوں کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔

ملا برادر کی رہائی:

24 اکتوبر کو پاکستان نے امارت اسلامیہ کے سابق نائب سربراہ ملا عبدالغنی عرف ملا برادر کو 8 سال بعد جیل سے رہا کر دیا ہے۔ اب بھی پاکستانی جیلوں میں امارت اسلامیہ کے متعدد رہنما قید ہیں۔

سیاسی دفتر میں نئی تقرری:

30 اکتوبر کو امارت اسلامیہ نے ایک اعلامیہ جاری کیا کہ گوانتاناموجیل کے سابق پانچ قیدیوں کو قطر کے سیاسی دفتر میں تعینات کر دیا گیا ہے۔ سیاسی امور کے تجزیہ کاروں نے امارت اسلامیہ کے اس اقدام کا خیر مقدم کیا اور اس کو مثبت پیش رفت قرار دیا۔

سید سعید

جنگی جرائم اگست 2018

یکم اگست 2018 کو صوبہ کاپیسا کے ضلع نجراب کے علاقے افغانیہ میں پولیس کی فائرنگ سے ایک عام شہری شہید اور ایک زخمی ہو گیا۔ اگلے دن صوبہ ہرات کے ضلع شینڈنڈ کے علاقے زیر کوہ میں طالبان اور حملہ آوروں کے درمیان شدید جھڑپوں کے بعد جارحیت پسندوں نے علاقے پر بمباری کردی، جس کے نتیجے میں متعدد دکانیں اور گھر تباہ ہوئے۔ جب کہ تین افراد شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ اسی طرح 3 اگست کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع نرخ کے علاقے درانی اور ملاخیل میں جارحیت پسندوں اور اجرتی فورسز نے چھاپے کے دوران ایک شخص کو شہید اور دس افراد کو زخمی کر دیا۔ اسی دن ننگرہار کے کے ضلع خوگیانی کے علاقے اودی گاؤں میں قابض اور اجرتی فورسز کی کارروائی میں چار شہری شہید اور زخمی ہو گئے۔

6 اگست کو صوبہ لوگر کے دارالحکومت کے قریب بابوس کے علاقے قلعہ ملا کے مقام پر فورسز کی گولہ باری کے نتیجے میں خواتین اور بچوں سمیت نو افراد شہید اور زخمی ہو گئے۔ جب کہ صوبہ بادغیس کے ضلع غورماچ کے علاقے حاجیان میں اجرتی فورسز کی بمباری میں ایک معصوم بچہ شہید ہو گیا۔ اسی طرح بادغیس کے ضلع مرغاب کے مضافات میں پولیس کی فائرنگ سے ایک ڈاکٹر سمیت چار شہری شہید اور زخمی ہو گئے۔

8 اگست کو جارحیت پسندوں اور اجرتی فورسز نے صوبہ ارزگان کے دارالحکومت ترین کوٹ کے علاقے محمد نبی خان اڈہ پر چھاپہ مارا۔ لائبریری، پی سی او اور اسپیئر پارٹس، آٹا، تیل، ایندھن وغیرہ جیسی 25 دکانیں لوٹنے کے بعد 32 ہزار لیٹر تیل اور 30 سے زائد گاڑیوں کو آگ لگا دی۔ اس کے علاوہ علاقے میں 250 مسافروں کو لوٹ لیا۔ ان میں ایک مولاداد آکا بھی شامل ہے، جس سے 75 لاکھ روپے چھین لیے۔ موصوف اس رقم سے مال مویشی خرید کر عیدالاضحی کے موقع پر قندھار میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔

10 اگست کو فراہ کے ضلع فراہ رود کے علاقے ودنکان میں فورسز کے چھاپے کے دوران تین شہری شہید اور زخمی ہو گئے۔ جب کہ 13 اگست کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع سید آباد کے علاقے ماشین قلعہ میں قابض فوج کے ڈرون حملے میں ایک خاندان کے تین افراد 'رحمت اللہ، شنی گل اور مصطفی' شہید ہوئے۔ جب کہ داؤد نامی شخص کے دو بیٹے 'عتیق اللہ اور سمیع اللہ' زخمی ہوئے۔ اسی دن لوگر کے ضلع خوشی کے علاقے کنداب گاؤں میں قابض اور اجرتی فورسز کے چھاپے کے دوران 8 شہریوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ اگلے دن فاریاب کے ضلع گرزیوان کے علاقے بہارک میں قابض فوج کے فضائی حملے میں ایک مسجد شہید اور دو گھر تباہ ہو گئے۔ جب کہ صوبہ فراہ کے ضلع خاک سفید کے مختلف علاقوں پر بمباری کی گئی، جس میں ایک مسجد شہید، ایک کلینک سمیت متعدد گھر تباہ ہوئے۔ جب کہ تین افراد زخمی ہوئے۔

15 اگست کو فاریاب کے ضلع چہل گزی کے علاقے دو آبائی میں قابض فوج نے سویلین آبادی پر بمباری کی، جس میں خواتین اور بچوں سمیت دس

افراد شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی طرح فراہ کے ضلع بالابلوک کے علاقے قلعہ کال، شیوان اور سجوئی کے علاقوں میں قابض اور اجرتی فورسز نے چھاپہ مارا۔ گھر گھر تلاشی کے بعد وحشیانہ بمباری کی گئی۔ جس میں 16 نہتے شہری شہید اور متعدد زخمی ہوگئے۔ جب کہ کابل کے ضلع پغمان کے علاقے ارغندی بادام قول کے حاطم خیل گاؤں میں جارحیت پسندوں اور افغان فورسز نے مشترکہ کارروائی کے دوران چھاپہ مارا۔ گھر گھر تلاشی کے دوران لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ پانچ شہریوں کو شہید، جب کہ 8 کو حراست میں لے لیا۔

17 اگست کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع سید آباد کے علاقے پٹان خیل گاؤں میں جارحیت پسندوں اور کٹھ پتلی فورسز نے چھاپے کے دوران ایک مسجد اور دو گھروں کو تباہ اور پندرہ شہریوں کو گرفتار کیا۔ اسی روز کابل کے ضلع خاک جبار کے علاقے دربند میں حملہ آوروں اور داخلی فوجیوں نے چھاپے کے دوران سات شہریوں کو حراست میں لے لیا۔ جب کہ ارزگان کے صوبائی دارالحکومت ترین کوٹ کے علاقے مرغاب میں جارحیت پسندوں اور سرکاری فوج نے چھاپے کے دوران ایک شہری کو شہید اور چھ افراد کو حراست میں لے لیا۔

18 اگست کو ہرات کے ضلع فارسی کے علاقے میں فورسز نے ایک شخص کو شہید کر دیا۔ اگلے دن فاریاب کے ضلع قرمقول کے مضافات میں پولیس نے ایک دینی مدرسے کے متہم اور ایک ڈرائیور کو شہید کر دیا۔ اسی طرح صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانو کے علاقہ قیغلو میں حملہ آوروں اور افغان فورسز نے چھاپہ مارا۔ گھر گھر تلاشی کے دوران چار افراد کو شہید، جب کہ چار افراد کو حراست میں لے لیا۔

20 اگست کو صوبہ فاریاب کے ضلع جمعہ بازار کے علاقے تپہ قشلاق میں قابض فوج کی بمباری میں 8 افراد شہید، جب کہ چار افراد زخمی ہوگئے۔ اگلے روز میدان وردگ کے ضلع جلریز کے علاقے زیولات میں قابض فوج کی فضائی کارروائی میں چار گھر تباہ ہوگئے۔ ایک شہری شہید اور ایک زخمی ہوگیا۔ اسی طرح 23 اگست کو صوبہ پکتیکا کے ضلع وازیخوا کے علاقے کارگو میں پولیس نے ایک شخص 'جان محمد' کو شہید کر دیا۔ جب کہ 24 اگست کو غزنی کے کے ضلع مقر کے اصغر خیل گاؤں میں قابض فوج کی بمباری میں ایک مسجد شہید ہوگئی۔

25 اگست کو صوبہ میدان وردگ کے ضلع چک کے علاقے السنک میں حملہ آوروں اور اجرتی فورسز نے چھاپے کے دوران ایک مسجد اور دو گھروں کو تباہ کر دیا۔ ایک شہری شہید، ایک زخمی اور آٹھ افراد کو حراست میں لے لیا۔ اسی دن حملہ آوروں نے ننگرہار کے ضلع خوگیانو کے علاقے وزیر احمد خیل میں ایک شخص کو شہید اور ایک کو زخمی کر دیا۔ جب کہ 28 اگست کو قندھار کے ضلع شاولی کوٹ کے علاقے لوڑ شاوبی میں قابض اور اجرتی فورسز کے چھاپے میں دس شہری شہید، جب کہ چار افراد زخمی ہوگئے۔ اسی طرح 30 اگست کو ہلمند کے ضلع ناد علی کے علاقے ڈبرو قلف میں پولیس کی فائرنگ سے ایک شخص شہید اور ایک زخمی ہوگیا۔

ذرائع: 'بی بی سی، آزادی ریڈیو۔ افغان اسلامک پریس، پژواک، خبریال، لر او بر، نن ڈاٹ ایشیا اور دیگر ویب سائٹس'

ماہ محرم الحرام میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات: صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	ایجنٹوں کے مقتولین	ایجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات: مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
1-	قندھار	72		0	0	126	104	46	19	23	
2-	ہلمند	205		3	0	316	241	57	4	8	
3-	زابل	47		0	0	166	50	26	7	10	
4-	روزگان	33		4	0	79	33	17	1	2	
5-	فراہ	76		0	0	152	88	29	13	24	
6-	غور	4		0	0	4	2	1	1	2	
7-	ہرات	31		0	0	43	21	7	0	0	
8-	نیمروز	22		0	0	28	13	3	2	3	
9-	بادغیس	46		0	0	42	52	6	2	11	
10-	فاریاب	39		6	4	86	83	12	4	11	
11-	کونڑ	18		0	0	4	3	0	0	0	
12-	ننگرہار	24		0	0	22	29	2	0	0	
13-	لغمان	21		0	0	17	21	4	2	0	
14-	نورستان	3		0	0	1	2	0	0	0	
15-	کابل	47		0	0	46	64	25	0	0	
16-	میدان ورگ	48		0	0	109	31	26	1	2	
17-	غزنی	67		0	0	131	95	38	0	2	
18-	خوست	39		0	0	33	33	8	0	0	
19-	لوگر	54		2	3	80	47	21	0	0	
20-	کاپیسا	15		0	0	28	22	1	0	0	
21-	پروان	21		5	0	19	18	3	1	2	
22-	پکتیکا	21		0	0	54	39	6	1	1	
23-	پکتیا	34		0	0	61	40	15	0	1	
24-	قندوز	24		2	2	76	54	10	3	1	
25-	بغلان	14		3	0	21	11	2	2	0	
26-	تخار	6		0	0	11	13	0	0	0	
27-	سمنگان	4		0	0	16	17	1	0	0	
28-	بدخشان	14		0	0	12	19	1	0	1	
29-	بامیان	1		0	0	0	0	0	0	0	
30-	بلخ	24		0	0	45	50	5	0	0	
31-	جوزجان	14		0	0	46	38	4	0	0	
32-	دای کنڈی	2		0	0	3	4	0	0	0	
33-	سرپل	6		0	0	33	0	2	6	0	
34-	پنج شیر	0									
مجموعہ		1096		25	9	1910	1337	378	69	104	

غنائم

SHARIAT
Monthly Islamic Magazine
7 th Year October 2018

سربلندی کا زمانہ

اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جنگ وہ سعادت ہے، جو صرف سچے اہلِ اسلام کے نصیب میں آئی ہے۔ اللہ تعالی کے نام کو سربلند رکھنا ہی ایک مسلمان کی شان اور اس کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ ذمہ داری دعوتِ اسلام اور جہاد ہی کے میدانوں میں ادا کی جاسکتی ہے۔ آج کے دور میں امارت اسلامیہ اس بھاری ذمہ داری کو ادا کرنے کی جستجو میں مصروف ہے۔ یہ امت کی طرف سے نمائندگی ہے۔ اور امت مسلمہ اس نمائندگی پر خوش ہے۔ کیوں کہ امارت اسلامیہ نے جہادی و سیاسی ہر دو میدانوں میں کامیابی کے وہ جھنڈے گاڑے ہیں، جن کے لہرانے سے فتوحات کی خوش خبریاں اور امن کی مسرتیں پھیل رہی ہیں۔

اب وہ زمانہ گیا کہ اسلام کا جھنڈا سرنگوں رہ سکے۔ یہ فتوحات کا زمانہ ہے۔ یہ اسلام کی سربلندی کا زمانہ ہے۔